رسولِ کائنات
سیّد دارین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
www.kitabosunnat.com
عبدالکریم ثمر

رسولِ کائنات

سیّدِ دارین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

www.KitaboSunnat.com

رسولِ کائنات

سیّدِ دارین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

عبدالکریم ثمر

جُمہوری پبلیکیشنز

Independent & Progressive Books

• نام کتاب۔ رسولِ کائنات	• مصنف۔ عبدالکریم ثمر
• اشاعت۔ 2014ء	• سرورق۔ مصباح سرفراز
• ناشر۔ جمہوری پبلیکیشنز لاہور	• جملہ حقوق محفوظ

ISBN:978-969-9739-11-8

قیمت 400 روپے

درج بالا قیمت صرف اندرون پاکستان

Rasool e Kainaat (PBUH)

Find us on facebook

Jumhoori Publications

2 Aiwan-e-Tijarat Road,Lahore-Pakistan

T: +92-42-36314140 F: +92-42-36283098

info@jumhooripublications.com

www.jumhooripublications.com

حکومتِ پاکستان

وزارتِ امورِ مذہبیہ

اسلام آباد

تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ / ۹ دسمبر ۱۹۸۴ء

نمبر ۱۱(۳)/آر آر/۸۴ء

سندِ امتیاز

نہایت مسرت سے تصدیق کی جاتی ہے کہ جناب عبدالکریم ثمر

کی تالیف کردہ کتاب رسولِ کائنات بزبان اردو کتب سیرت النبیؐ کے قومی مقابلہ برائے

سال ۱۴۰۴-۵ھ میں خصوصی انعام کی مستحق قرار پائی اور مؤلف موصوف کو مبلغ ۵،۰۰۰/- ہزار

روپے حکومتِ پاکستان کی طرف سے بطورِ انعام دیئے گئے۔

عزت علی

سیکرٹری

وزارتِ امورِ مذہبیہ حکومتِ پاکستان

اسلام آباد

زیرِ نظر کتاب ''رسولِ کائناتؐ'' کو 1984ء میں حکومتِ پاکستان کی جانب سے ''قومی سیرت ایوارڈ'' سے نوازا گیا۔

ترتیب

پیش لفظ

ممدوحِ دو جہاں حضور سرورِ کائنات ﷺ کی سیرتِ اقدس پر اُردو زبان میں مستند ذخیرہ موجود ہے۔ مجھ ایسے بے بضاعت اور ہیچ میرز کا اس اہم موضوع پر قلم اٹھانا ایک جراٴتِ بے جا کے مترادف ہے، لیکن شوقِ فراواں اور حصولِ سعادت کی آرزو نے حوصلہ بڑھایا۔

اور آج.....

اس ناچیز کا قلم سرنگوں ہے۔ آنکھوں میں آنسو ہیں کہ کہاں ایک گدائے گوشہ نشین اور کہاں شہنشاہِ لولاک ﷺ کی ذاتِ گرامی جن کی شان میں خود خالقِ کائنات درود خواں ہے۔

اِسی سوچ میں تھا کہ کسی غیر مرئی قوت نے اعترافِ عظمت کی راہیں کشادہ کر دیں۔

وما توفیقی الّا باللہ

اور یہ چند صفحات مرتب ہو گئے۔ اس امید پر کہ ع

شاہاں را چہ عجب گر بہ نوازند گدارا

عبدالکریم ثمر

لاہور

ستمبر 1983ء

باب 1

جزیرۃ العرب

خطۂ عرب، دنیا میں مشہور و معروف ہے۔ اس کے ریگ زاروں میں ریت کے ذرّات ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔ ازل سے ابد تک اس کے شہر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس خطے میں کون سی جنت پوشیدہ ہے جس کی عظمت کے باعث دنیا بھر کے مسلمان اس وادی غیر ذی زرع کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ اس لق ودق صحرا کی سرزمین میں آب ارزاں بھی نہیں۔ موسم گرما میں جب سموم وصرصر کے طوفان اٹھتے ہیں تو ریت کے پہاڑ وجود میں آ جاتے ہیں۔ اس کے صحراؤں میں مغیلاں اور خرما کے سوا کوئی درخت نظر نہیں آتا، البتہ سمندروں کے کنارے کہیں کہیں روئیدگی دکھائی دیتی ہے۔ صحرا نورد بدوی قبائل جہاں پانی کا کوئی چشمہ دیکھتے ہیں، خیمہ لگا لیتے ہیں۔ ان کی بدوی زندگی کا دارومدار بارانِ رحمت پر منحصر ہے۔ اگر وقت پر چار چھینٹے پڑ گئے تو جنگل میں منگل ہو گیا، ورنہ انتظار میں دن بیت گئے۔

جزیرۂ عرب تمام دنیا کی ناف کہلاتا ہے۔ یہ جنوبی ایشیا میں مستطیل شکل میں واقع ہے۔ جنوبی طرف سے وسیع اور شمال کی جانب تنگ ہے۔ اس کا کل رقبہ بارہ لاکھ مربع میل ہے۔ اس جزیرے کے تین طرف پانی اور سطح پر ریت کے سمندر ہیں۔

یہاں کے رہنے والے قبائل میں زیادہ لوگ شاعر، بہادر، سخی اور عاشق ہوتے ہیں۔

علم وہ جوہر عالیہ ہے جس کے بغیر انسان آدمیت کی خلعت حاصل نہیں کر سکتا۔ یہاں کے بسنے والے لوگ اس جوہر سے بے خبر تھے۔ راقم جس زمانے کا ذکر کر رہا ہے، اُن دنوں عرب کی تمام آبادی اَن پڑھ اور بے علم تھی۔ اس وقت شاعر اپنے قبیلے کے قصیدے پڑھتے اور قبائل بے کار

باتوں پر آپس میں الجھنا اور لڑنا شروع کر دیتے اور پھر یہ جنگ صدیوں تک نسل در نسل چلتی۔ انسان، انسان کا غلام اور عورتوں کو لونڈیاں بنا کر رکھا جاتا۔ شراب نوشی، قمار بازی، سخن وری ان کے شغل تھے۔ شرک اور بُت پرستی ان کا مذہب تھا۔ ہر قبیلے کا الگ بت تھا جس کی پوجا کی جاتی۔ یہاں تک کہ کعبہ مکرمہ میں بھی بت رکھے ہوئے تھے جن کی عبادت کی جاتی تھی۔

ان تمام برائیوں کے باوجود عرب قوم میں من حیث القوم خودداری، غیرت، بہادری اور سخاوت بدرجہ اتم موجود تھی۔ یہ تلوار کے دھنی اور دل کے غنی تھے۔ کوئی مظلوم اگر ان کی پناہ میں آ جاتا تو عمر بھر اس کی حفاظت کرتے۔ مہمان نوازی ان کا شیوہ تھا۔

یہ تھا وہ ملک جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی مشیّت سے گہوارۂ اسلام بننے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ سرزمین قابل مبارک باد ہے کہ تہذیب وتمدن کی بنیاد اس پر رکھی گئی اور ایک عالمگیر امّت مسلمہ کی تاسیس ہوئی اور یہ تھی وہ قوم جسے رسولِ کائنات ﷺ کی قیادت میں ایک عالمگیر انقلاب کے لیے مبعوث کیا گیا۔ قدرت نے اس ملک کی ریت کے ذّرات میں بجلیاں بھر دیں جن کے باعث ایسا انقلاب آیا جس نے تمام دنیا کے نظام اور آئین تبدیل کر دیئے۔ اس وقت مسجود و ملائک کی اولاد اشرف المخلوقات انسان، خدا کا نائب انسان صرف عرب ہی میں نہیں تمام روئے زمین پر قعر مذلّت میں گر چکا تھا۔ آسمانی صحائف کے نورانی اور ابدی احکام پس پشت ڈال دیئے گئے تھے۔ عرفانی حقیقتیں اور پاکیزہ اخلاق افسانہ بن چکے تھے۔ ضلالت، گمراہی اور حرص وہوا کا عالم تھا اور جنسی جذبات کی تسکین کے لیے نت نئے اصول گھڑ لیے گئے تھے۔ ہر طرف عام بدامنی اور طوائف الملوکی تھی۔

اہلِ عرب کئی سو سال سے دین ابراہیمی چھوڑ کر بُت پرستی میں مبتلا تھے۔ حجاز مقدس کے میکدے بادۂ توحید سے خالی ہو چکے تھے۔ ضلالت کی آندھیاں چراغِ انسانیت کو بجھانے کے درپے تھیں۔ کفر وشرک کا سیل بے پناہ عرب کی سرزمین کو قعر مذلّت کی طرف دھکیل رہا تھا۔ حضرت خلیل اللہؑ کے پیرو، کفر وشرک کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے۔ ملک کا کوئی نظام نہیں تھا۔ شراب خوری اور قمار بازی، انتقام، نسلی تفاخر اور بے کسوں پر ظلم اہل عرب کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ قومی حمیت اور خاندانی وجاہت کا جاہلانہ جوش، شاعری، انانیت اور کبر وغرور کا دور دورہ تھا۔

تمام اقسام کی سفلی غلط کاریاں کارفرما تھیں۔ الغرض تمام دنیا جہنم کے کنارے کھڑی تھی۔

؎ تھوڑی سی کسر ہی باقی تھی دنیا کے جہنم بننے میں

شجرۂ عالیہ

حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا شجرہ عالیہ صانع قدرت کا عکس جمیل ہے۔
مسجود ملائک ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے حضور سرورؐ عالم ختم المرسلین تک کس قدر پشتیں عالم وجود میں آئیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے لیکن کچھ علمائے تاریخ وانساب نے بعض سلاطین کے ایما پر انتہائی محنت وکاوش سے ذیل کا شجرہ مبارکہ ترتیب دیا ہے، جس کی یہ تلخیص ہے:

ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا: قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق اِنّی جاعل فی الارض خلیفه، مشیّت الٰہی سے حضرت آدمؑ کی تخلیق ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے، ابوالبشر عرشِ معلّٰی پر ایک نور دیکھ کر بارگاہ رب العزت میں معروض ہوئے، یہ نور کس کا ہے؟ فرمایا گیا کہ آپ کے پسر گرامی پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور (روح) ہے جو کُل کائنات سے پیشتر پیدا کیا گیا اور اس کا ظہور تمام انبیاء ومرسلین کے بعد ہوگا۔ قیامت کے دن میدانِ حشر میں شفاعت کا تاج اس کے زیب سر ہوگا۔ پھر مسجود وملائک کا جنت سے زمین پر نزول ہوا۔ آپ پر 21 صحیفے نازل ہوئے اور ایک ہزار برس عمر پائی۔ آپ کا وصال جمعہ کے دن ہوا۔

حضرت شیث علیہ السلام: حضرت آدمؑ کی عمر 220 برس تھی کہ آپ کی پیدائش ہوئی۔ حضرت آدمؑ نے اپنی حیاتِ اقدس ہی میں آپ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ آپ پر کچھ صحیفے بھی نازل ہوئے۔ آپ کی عمر 950 برس تھی۔

حضرت ادریس علیہ السلام: آپ پر تیس صحیفے نازل ہوئے اور 350 برس عمر پائی۔ روایت ہے کہ آپ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور قلم کا استعمال بھی سب سے پہلے آپ کی کاوش کا مرہونِ منت ہے۔

جناب مالک: آپ قریباً 800 برس زندہ رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام آپ کے

فرزندار جمند تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام: آپ کو آدمِ ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ آپ 950 برس تبلیغ کرتے رہے۔ جب نافرمان لوگ ایمان نہ لائے تو قہرِ الٰہی آبی طوفان کی صورت میں نازل ہوا۔

جناب سام: آپ کی ساتویں پشت سے حضرت ہود علیہ السلام اور نویں پشت سے حضرت صالح علیہ السلام پیغمبر ہوئے۔

جنابِ عابد: آپ کی ستائیسویں پشت سے مشہور ملکہ سبا زوجہ حضرت سلیمان علیہ السلام تھی۔

جناب قانع: حضرت خضرؑ کے پوتے، آپ کی عمر قریباً اڑھائی سو برس تھی۔

جناب نامور: آپ کی پوتی سائرہ کا نکاح حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ہوا۔

جناب تارخ: حضرت لوط علیہ السلام کے پوتے۔

حضرت ابراہیمؑ: آپ پر بیس صحیفے نازل ہوئے۔ آپ کی عمر مبارک 120 سال ہوئی۔

حضرت اسمٰعیلؑ: آپ کی عمر 130 سال ہوئی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے 12 فرزند عطا کیے۔ بسمہ آپ کی صاحبزادی تھیں جن کے بطن سے حضرت ایوبؑ، ذوالکفل اور جناب اسمٰعیل ثانی پیدا ہوئے۔

نسب قریش:

عدنان۔ قریش کے جدِ اعلیٰ۔

معد۔

نزار۔ آپ کی اولاد میں امام احمد بن حنبلؒ تھے۔

مضر۔ آپ کی اولاد سے حلیمہ سعدیہؓ ہیں۔

الیاس۔

مدرکہ۔

خزیمۃ۔ آپ کی دسویں پشت سے اُمّ المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش تھیں۔

کنانہ۔ نضر۔ مالک۔ فہر۔ غالب۔ لوی۔ کعب۔ مرہ۔

کلاب: آپ کی تیسری پشت کی پوتی بی بی آمنہ، سرکار دو عالم ﷺ کی والدہ محترمہ۔

قصی۔

عبد مناف۔ حضرت امام شافعیؒ آپ کے خاندان میں سے تھے۔

ہاشم۔ آپ کی پوتی حضرت اُمِ ہانیؓ۔

عبدالمطلب۔

عبداللہ۔ حارث۔ حضرت زبیرؓ۔ حضرت حمزہؓ۔ حضرت عباسؓ۔ ابوطالب۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حضرت ابراہیمؓ۔ طاہرؓ۔ قاسمؓ۔ زینبؓ۔ رقیہؓ۔ اُم کلثومؓ۔ فاطمہ زہراؓ

ابن خلدون کے مطابق، حضرت ابراہیمؑ دو ہزار قبل مسیح کلدانی سلطنت کے قصبہ اُر میں پیدا ہوئے۔ کلدانی اپنے وقت کی شائستہ اور متمدن قوم تھی، نصف کرۂ ارض پر اس کا پرچم لہرا رہا تھا۔ چار سو سال سے خاندان نمرود اس پر حکمران تھا۔ اس کا مذہب ستارہ پرستی اور بُت پرستی تھا۔ اپنی عظیم سلطنت اور جاہ وجلال کے باعث نمرود نے خدائی کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ اس کے عہد میں حضرت ابراہیمؑ ہی وہ بُت شکن تھے جنہوں نے نمرود کے دعویٰ کی تکذیب کی جس کے باعث انہیں طرح طرح کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں۔ ادھر صانع قدرت نے ان کے اعلان حق وصداقت پر یہ اعزاز بخشا کہ نار میں گلزار آراستہ کر دی۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زندگی میں طویل مسافتیں طے کر کے قوموں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام توحید پہنچایا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ابراہیمؑ یعنی قوموں کے باپ مشہور ہوئے۔ حضرت آدمؑ کی اولاد میں حضرت ابراہیمؑ کو پیغمبری عطا ہوئی تو حضرت خلیل اللہؑ، اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ہاجرہ اور شیر خوار بڑے صاحبزادے کو لق ودق صحرا میں، اس وقت جس میں کوئی انسان موجود نہ تھا، چھوڑ کر چلے گئے اور خود بدستور فلسطین میں مقیم رہے۔ البتہ کبھی کبھی مکّہ مکرمہ تشریف لاتے رہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا تعلق سامی نسل سے تھا۔ مکّہ مکرمہ تشریف لانے سے پیشتر یہاں بنو جرہم قبیلہ کے آثار بھی ملتے تھے۔ بنو جرہم کی اور حضرت ہاجرہ کی زبانیں مختلف تھیں۔ چوں کہ مخزن ومخرج ایک جیسا تھا، آپس میں میل ملاپ کی وجہ سے ایک نئی زبان عربی کے سانچے میں ڈھل

گئی۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے بھی یہی زبان سیکھی لیکن یہ عربی ظہورِ اسلام کی عربی سے کچھ مختلف تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آپ کی اولاد مستعربہ (مخلوط) عرب کہلاتی ہے۔

حضرت اسمٰعیلؑ 15 برس کے ہوئے تو آپ کی والدہ حضرت ہاجرہ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت ذبیح اللہ جب بالغ ہوئے تو اُن کا پہلا نکاح قوم عمالقہ میں عمارہ بنت سعید سے ہوا۔ طبائع کے اختلاف کے باعث گزر نہ ہو سکی تو قبیلہ بنوجرہم کے سردار کی بیٹی سعیدہ بنت مضاض سے شادی ہوئی جس کے بطن سے 12 بیٹے پیدا ہوئے۔ ان میں دوسرا بیٹا قیدار بہت مشہور ہے۔ قیدار تو حجاز میں آباد رہا لیکن اس کی اولاد شاخ در شاخ وسیع خاندان میں منقسم ہوئی۔ ان میں قریش عبدمناف کا خانوادہ معزز و ممتاز ہوا۔ قریش کے مورثِ اعلیٰ نضر بن کنانہ کی نسل سے قصی بہت باہمت نکلا۔ اللہ کے گھر کی تولیت بھی قیدار کے حصہ میں آئی۔ قصی نے کعبہ کے آخری متولی خلیل بن جسیتہ الخزاعی کی بیٹی سے شادی کر لی۔ اس کے بطن سے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزیٰ اور عبدقصی۔ عبدمناف کا بیٹا عبدالشمس، امیہ کا باپ اور حرب کا دادا تھا۔ عبدمناف کا دوسرا بیٹا ہاشم تھا اور ہاشم کا بیٹا عبدالمطلب جس کی کنیت ابوحارث تھی۔ عبدالمطلب کے دس فرزند تھے جن میں ابوطالب، سیّدنا حمزہؓ، سیّدنا زبیرؓ، سیّدنا عباسؓ اور سرکارِ دوعالم ﷺ کے پدرِ بزرگوار جناب عبداللہ بہت مشہور ہوئے۔ جناب عبداللہ جس رات پیدا ہوئے، علمائے اہل کتاب نے کہا کہ پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے۔

حضرت اسمٰعیلؑ کے دوسرے بیٹوں کی نسل بھی بڑھی، پھلی پھولی حتیٰ کہ نجد، عراق اور مصر تک پھیل گئی۔ ایک روایت یہ بھی تھی ہے کہ حضرت یوسفؑ کو کنویں سے نکالنے والے بھی اسمٰعیلی تاجر تھے جو سامانِ تجارت لے کر مصر جا رہے تھے۔

زمزم

خانہ کعبہ کے مشرق میں زمزم ایک قدرتی چشمہ ہے۔ یہ چشمہ ایک معصوم بچے کی پیاس بجھانے کے لیے قدرت کی طرف سے ایک عطیہ ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ، اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم پر جناب ہاجرہ اُمّ العرب اور معصوم اسمٰعیل کو کچھ کھجوریں اور پانی کا مشکیزہ دے کر رخصت

ہو گئے۔ خوراک اور پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا تو یہ چشمہ جناب اسمٰعیل کی ایڑیوں کی رگڑ سے معرضِ وجود میں آیا۔ حضرت عباسؓ کی روایت کے مطابق، حضرت جبرئیلؑ کے پر مارنے سے جاری ہوا۔ حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت اس قدر جوش میں تھی کہ اگر جناب ہاجرہ اس کے گرد ریت کی منڈیر نہ بناتیں اور زم زم یعنی ٹھہر ٹھہر نہ فرماتیں تو یہ پانی ساری دنیا میں پھیل جاتا۔

ایک مقامی جنگ میں پسپائی کے دوران بنی خزاعہ کے قبائل نے اس چشمہ کو بند کر دیا تھا۔ زم زم پر ریت کی تہیں جم گئیں۔ نشانات معدوم ہو گئے تو جناب عبدالمطلب کو خواب میں اشارہ ہوا کہ اس جگہ چیونٹیوں کا بل ہے اور کوا چونچ مار رہا ہے۔ کدال کے ساتھ جب اس جگہ سے ریت ہٹائی گئی تو پانی چشمہ کی صورت میں نکلا۔ اور اس وقت یہاں سے چند تلواریں اور سونے کے ہرن کے بت بھی نکلے جو بعد ازاں کعبہ میں رکھ دیئے گئے۔ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری سے چند روز پہلے کا ہے۔

حضرت عبداللہ کا فدیہ

سرزمین عرب میں خانۂ خدا کے معمار حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد، قریش کے مورثِ اعلیٰ نضر بن کنانہ کی نسل میں ہاشم، ہوش منداور بہ اعتبارِ عقل و دانش ممتاز تھے۔ ہاشم جوانی کے عالم میں شام کے سفر کرتے ہوئے جب یثرب پہنچے تو بنو نجار کی صاحب حسن و جمال بی بی سلمیٰ سے نکاح ہو گیا اور سلمیٰ کے بطن سے عبدالمطلب پیدا ہوئے۔ عبدالمطلب کے دس بیٹوں میں ایک کا نام عبداللہ ہے۔ باپ نے منت مانی کہ میرے نونہال بارآور ہوں تو ایک غنچۂ نورس اللہ تعالیٰ کی نذر کروں گا۔ جب بیٹے جوان ہوئے تو منت پوری کرنے کا خیال آیا۔ کعبہ کا پجاری قرعہ اندازی کرتا ہے تو قربانی کے لیے سرکارِ دو عالمؐ کے والد ماجد جناب عبداللہ کا نام نکلتا ہے۔ باپ اپنے محبوب بیٹے کو مذبح کی جانب لیے جا رہا ہے۔ پدری محبت جوش مارتی ہے مگر دونوں باپ اور بیٹا بے دھڑک قربان گاہ کی طرف بڑھے جا رہے ہیں۔ ایثار پسند باپ کے پاؤں لڑکھڑاتے ہیں نہ سعادت مند بیٹے کے قدم رُکتے ہیں۔ ان کے رگ و پے میں ابراہیمی خون گردش کر رہا ہے۔ قریب ہے کہ قربانی تکمیل تک پہنچ جائے کہ بعض قریش باپ کے ارادہ میں حائل ہوتے ہیں۔ اُن کو خیال آتا ہے کہ کہیں

سچ مچ ابراہیمی سنت خاندانی رسم نہ بن جائے۔ سردارانِ قریش، عبدالمطلب پر زور دیتے ہیں کہ بیٹے کے عوض اونٹ قربان کر دو۔ ایک کاہنہ عرافہ قطبہ کی تائید سے فیصلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ دس اونٹوں کے نام قرعہ ڈالا جاتا ہے تو نام عبداللہ کا نکلتا ہے۔ بتدریج بڑھاتے ہوئے فدیہ کی تعداد جب 100 اونٹوں تک پہنچتی ہے تو نام اونٹوں کا نکلتا ہے، اس طرح عبداللہ بچ جاتے ہیں۔

نبیوں کا خاندان بلا مبالغہ ممتاز اور شریف ہوتا ہے۔ سرورِ کائنات ﷺ کے آباؤ اجداد کا خاندانی کردار بلند و بے عیب ہے۔ اس لیے کہ انبیاء کی تربیت کا اہتمام خود قدرت بطورِ خاص کرتی ہے۔ اولادِ آدمؑ میں کوئی بھی ان کی عالی نسبی بزرگی برتری تک نہ پہنچ سکا۔ سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیلؑ دونوں باپ بیٹا قرانِ سعدین تھے۔ ان کی اولاد کو تمام جزیرہ نمائے عرب میں جو عزت و تکریم نصیب ہوئی، کوئی دوسرا خانوادہ اُن کا ہمسر نہ ہو سکا۔

جناب عبداللہ سن بلوغت کو پہنچے تو رشتہ کی تلاش ہوئی۔ 25 سال کی عمر میں قبیلہ زہرہ کی عالی نژاد پاک دامن بی بی آمنہ بنت وہب کے ساتھ نکاح ہو جاتا ہے۔ اس سے پہلے عبدالمطلب نے اسی دودمان عالی کی صاحبزادی ہالہ بنت وہب سے شادی کر لی تھی جس کے بطن سے حضرت حمزہؓ پیدا ہوئے۔ جناب عبداللہ معمول کے مطابق کچھ عرصہ سسرال میں رہے۔ چند ماہ ازدواجی زندگی گزاری۔ پھر تجارت کے سلسلہ میں شام کا سفر کرتے ہیں کہ یثرب میں پہنچ کر بیمار ہو گئے۔ ایک مہینہ مدینہ میں ٹھہرے اور یہیں انتقال کر گئے۔ دار النابغہ الجعدی میں دفن ہوئے۔

ابرہہ

مکّہ مکرمہ، اہل عرب کی عبادت گاہ تھی۔ شام سے یمن تک لوگ یہاں آ کر عبادت کرتے اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے۔ یمن کے حبشی حکمران کے دل میں حسد پیدا ہوا کہ کیوں نہ مکہ مکّرمہ سے اللہ تعالیٰ کا گھر (نعوذ باللہ) برباد کر دیا جائے اور یمن میں ایک گرجا تیار کر لیا جائے تا کہ لوگ یہاں آ کر عبادت کریں۔ اس طرح یمن کی معیشت اور تجارت بھی بڑھے گی۔ یہ سوچ کر اُس نے 60 ہزار فوج کا بڑا لشکر تیار کیا جس میں ہاتھی بھی ساتھ تھے اور مکّہ کی طرف چلا۔ جب یمن سے چلا تو بنو ثقیف نے ابورغال کو مکّہ کے لیے رہنما ساتھ کر دیا لیکن محض طائف کے قرب و جوار میں پہنچ کر مر گیا اور اہل

عرب نے اس کی قبر پر پتھر برسائے۔ یہ رسم آج تک جاری ہے۔

ابرہہ کے لشکر میں محمود نامی ایک بڑا ہاتھی بھی ساتھ تھا جو مکہ کی طرف منہ نہیں کرتا تھا۔ جب اس کو واپس ہونے کا اشارہ ملتا تو دوڑنے لگ جاتا۔

محرم میں یمن کا یہ حبشی جوارِ مکہ میں پہنچا تو اہل مکہ کو تشویش ہوئی کہ ہم کمزور قبائل ایک منظم فوج کا مقابلہ کس طرح کریں گے۔ ابرہہ کے سپاہیوں نے اہل مکہ کے اونٹ گھیر لیے جو چراگاہ میں تھے۔ جناب عبدالمطلب اپنے اونٹ چھڑانے کے لیے ابرہہ کے پاس گئے۔ وہ پیکر غرور آپ کی بات سُن کر مسکرایا اور کہا:

''تم اونٹ چھڑانے آئے ہو، میں تو خانہ کعبہ کو مٹانے آیا ہوں۔''

عبدالمطلب نے تاریخی جواب دیا:

''اونٹ میرے ہیں، میں لینے آیا ہوں۔ کعبۃ اللہ خدا کا گھر ہے، وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔''

یہ سُن کر ابرہہ نے غصہ میں آکر اونٹ چھوڑ دیئے اور حکم دیا کہ مکہ پر حملہ کر دیا جائے۔ قریش یہ دیکھ کر پہاڑوں کی غاروں میں روپوش ہو گئے۔ اس وقت عبدالطلب نے کعبہ کا غلاف تھام کر دعا کی، ''اے مالک: اپنا گھر خود سنبھال۔'' کہا جاتا ہے کہ اس وقت کچھ خوف ناک آوازیں بلند ہوئیں اور آسمان پر ابابیلوں کا غول نمودار ہوا جن کی ہر چونچ میں تین کنکریاں تھیں۔ ساتھ ہی ابرہہ کے لشکر پر کنکروں کی بارش شروع ہوگئی۔ تمام لشکر، ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو گئے۔ خود ابرہہ کے اعضا جھڑ گئے، انگلیاں گر گئیں، گوشت کا لوتھڑا رہ گیا (ابن ہشام)۔ یہ واقعہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی تشریف آوری سے 55 دن پہلے ظہور پذیر ہوا۔ قرآن پاک نے سورۃ الفیل میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔

باب 2

آثارِ بہار

ابتدائے آفرینش سے لیل ونہار کی ہر گردش نظامِ فطرت کے مطابق اپنے فطری افعال سرانجام دے رہی ہے۔ کائنات کا ہر ذرّہ اپنے محور پر گھوم رہا ہے۔ آسمان پر ستارے چمک رہے ہیں۔ رات کی زلفیں ظلمات بکھیر رہی ہیں۔ سورج حرارت پیدا کر رہا ہے۔ دریاؤں کا پانی نشیب کی جانب بہ رہا ہے۔ نسیم خوش گوار کے جھونکے فضائے بسیط میں زندگی کی نزہتیں بکھیر رہے ہیں۔ روش روش پر گلستانِ ہستی بہار آفریں ہے اور تمام ارضی وسماوی عناصر اپنے نشو وارتقا کے اصول طے کر رہے ہیں کہ وادیٔ اُم القریٰ کو تمام دلفریبیوں اور جاذبیتوں کا مرکز بنا دیا جاتا ہے۔ رحمتِ خداوندی جوش میں آتی ہے۔ جناب عبداللہ کی موت کے چار ماہ بعد عروسِ کائنات کے دلفریب چہرے پر بہارِ جاوداں کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ شگفتہ پھولوں کی پنکھڑیاں شاداب وفرحاں ہیں۔ ستاروں کی خمار آلود آنکھیں از سرِ نو روشن ہو رہی ہیں۔ آفتاب ومہتاب نور افشاں اور تابناک ہیں۔ افق کا دستِ حنائی زلفِ حیات کی مشاطگی کے لیے آمادہ ہے۔ فضائیں جھوم جھوم کر تزئین میں محو ہیں۔ شبنم دامانِ صبح پر دلآویز موتی بکھیر رہی ہے۔ نسیم خوش گوار اپنے دامن میں خوشبو کے معطر قرابے لیے وادیٔ ام القریٰ کا طواف کر رہی ہے۔ رہگزاروں کی ریت نکھر کر چمک رہی ہے۔ قرمزی شفق اور نیلگوں آسمان پر گہرا سکوت طاری ہے۔ ساری کائنات کسی نیرِ عالم تاب کے استقبال کے لیے آنکھیں فرشِ راہ کیے منتظر ہے۔ ارض وسما کے سازہائے سرمدی نغمہ بلب ہیں اور فطرت ہمہ تن گوش ہے۔

کہ یکایک عالمِ کون ومکان میں امید کی ایک کرن پھوٹتی ہے۔ قسامِ ازل کی کرشمہ سازیاں کہ حجاز مقدس کی بے آب وگیاہ وادی کو قیامت تک کے لیے مرجع خلائق اور سجدہ گاہِ

قدسیاں بنا دیا جاتا ہے۔

ولادتِ باسعادت

حجاز کی خاکِ پاک شاید قرنوں سے خالق کُل کے حضور جھولیاں پھیلائے دعائیں کر رہی تھی۔ آج اس کا دامن ایک انمول رتن سے بھر دیا جاتا ہے۔ شب گیتی میں صبح کے آثار نمودار ہوئے تو دفعتاً آسمان سے ملائکہ کا درود شروع ہو گیا۔ 20 اپریل 571ء بمطابق 9 ربیع الاوّل بروز دوشنبہ بہ وقت صبح صادق قدسیانِ عرش کی زبان پر نغمۂ تقدیس جاری ہوا کہ آج والیٔ کون و مکان پیدا ہو رہے ہیں۔

؎ مسند آراء ہوئے تجدید و وقار آج کے دن

مولد رسولؐ: مکّہ مکرمہ کی پہاڑی بوقبیس کے دامن میں حضرت عبداللہ کا مکان ہے جہاں بنی نوع انسان کی عظیم ترین ہستی نے ولادت باسعادت پائی۔ اب یہاں ایک لائبریری قائم ہے۔

ملاء اعلیٰ میں جنبشیں شروع ہیں کہ کرۂ ارض کو مژدہ سنایا جا رہا ہے کہ آج سے تعمیر انسانیت کی ابتدا ہوتی ہے۔ اب آدمیت کے آئینہ کو جلا بخشی جائے گی۔ غریب امیر، آقا و غلام ایک قطار میں صف بستہ ہوں گے۔ یک جہتی اور مساوات کا دور دورہ ہو گا۔ اب ایک خدا کی پرستش ہو گی۔ حقیقت تلاش کرنے والوں کو عرفانِ الٰہی بخشا جائے گا۔ اب مسجود ملائکہ حضرت آدمؑ کی اولاد کو رستگاری نصیب ہو گی۔

اب نسلی اور جغرافیائی تفاخر کی زنجیریں توڑ دی جائیں گی اور ایک طائر لاہوتی فضائے بسیط میں بال کشا ہو گا۔ اب دنیا بھر کے صنم خانوں میں اذانیں پڑھی جائیں گی۔ اب عشق کو فرزانگی نصیب ہو گی اور فقر کو شکوہ سکندری ملے گا۔ اب دولت دنیا کو استغنائے بوذری بخشا جائے گا۔ اب نگار خانۂ حیرت میں رشد و ہدایت کار فرما ہوں گے۔ اب انسانیت کو اعلیٰ اقدار اور بلند مقاصد سے روشناس کرایا جائے گا۔ اب حیرت کدۂ رنگ و بو میں اضافی جوہر کو مدراج ارتقا کی طرف توجہ دلائی جائے گی۔

مشیت ایزدی ملاحظہ فرمایئے کہ قرن ہا قرن تک زمین و آسمان کروڑوں چکر لگا چکے تو

گہوارۂ عفولیت میں شباب کے آثار پیدا ہوئے۔ جب صحیفۂ فطرت کی تکمیل کا وقت آیا تو سینۂ کائنات میں وہ کشادگی پیدا ہوئی جس میں دونوں عالم سما جائیں۔

پھر وادیٔ بطحا کی تزئین و آرائش میں کوئی دقیقہ نہ فروگزاشت کیا گیا۔ اجرامِ فلکی مسکرائے۔ فرشتوں کی نگاہوں میں ایک پیکر نور تصور کی صورت میں چمکا تو افلاک تعظیم کے لیے جھک گئے۔ زمین کو اپنی تاریک پیشانی پر صحرائے حجاز میں ستارے چمکتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ فضاؤں میں تہنیت کے غلغلے بلند ہوئے۔ فرشتوں نے نغمۂ تبریک گایا۔ ملاء اعلیٰ کی مخلوق مسکرائی، تو فضائے کون و مکان میں درود و سلام کی دل نواز صدائیں گونج اٹھیں۔ نومولود کے جلو میں ملائے اعلیٰ کی صدا گونج رہی تھی۔ گھر کی فضا میں ملکوتی حسن لہرا رہا تھا۔ مبارک باد کے نغموں سے پوری کائنات جھوم رہی تھی اور کمرا بقعۂ نور بن رہا تھا۔ آخر حضور رسولِ کائنات نے اس دنیا کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا تو آمنہؓ نے آغوش میں وہ نور سمیٹ لیا جس کے لیے عالمِ انسانیت ازل سے منتظر تھا۔

اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد و اصحاب محمد و بارك وسلم

یہ آنے والا رحمت اللعالمین بن کے آیا۔ مشام جاں نواز نے دو جہان میں عطر بیزی اور عنبر فشانی کی۔ نورِ محمدیؐ نے عالمِ کون و مکان کو جمال و جلال عطا کیا۔ یہی وہ پیکرِ حسن و رعنائی تھا جس کی نظیر دو عالم میں نہ مل سکے گی اور نظمِ کائنات کا یہی وہ عدیم النظیر مصرعہ تھا، جسے صانعِ قدرت نے سب سے آخر میں موزوں فرمایا۔

اسمِ گرامی

پاک دامن آمنہؓ کو ہر شب مژدہ سنایا جاتا تھا کہ تو اپنی آغوشِ محبت میں امتوں کا سردار اٹھائے ہوئے ہے۔ جناب عبدالمطلب نے خواب میں دیکھا کہ ایک نور ہمارے گھر پر ضوفشاں ہے۔

نجیب الطرفین بچہ جب ماں کی گود میں مسکرایا تو عالم لاہوت میں بہجت و مسرت کے شادیانے بجنے لگے۔ دادا نے جب سنا کہ مکارمِ اخلاق اور حسنِ خلوص و عمل مجسم ہو کر آ گیا ہے تو مبارک دینے والوں سے کہا کہ تو مولود کا نام ہوگا،

محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم

کہ یہ نام ساری کائنات میں بطور امانت محفوظ تھا تا کہ دو عالم میں اس کی تعریف کی جا سکے۔ محمدؐ کا لفظ ادا کرتے ہوئے انسان کے دونوں لب مل جاتے ہیں۔ محمدؐ ہی فخر کائنات ہے اور موجودات کے لیے رحمت بن کے آیا ہے۔

شرفائے عرب کے دستور کے مطابق تین دن آمنہؓ نے اپنے لال کو خود دودھ پلایا۔ پھر دودھ کے لیے ثوبیہ کے سپرد کر دیا۔ اِدھر دادا نے عقیقہ کے لیے اونٹ ذبح کروائے، بال ترشوائے۔

زمانۂ رضاعت

دودھ پلانے کی خدمت انا حلیمہ سعدیہ کے سپرد ہونے لگی تو وہ ہچکچائی کہ بچہ یتیم ہے، اس کی والدہ دنیاوی مال و دولت سے تہی دست ہے لیکن ملہم غیب سے آواز آئی، حلیمہ ظاہری وجاہت کوئی چیز نہیں بلکہ خاندانی شرافت دیکھ۔ ابرِ نیساں کے جس قطرے کو موتی بننا ہوتا ہے، وہ سیپ کے منہ میں گرتا ہے۔ تیری گود میں مالک رقابؐ و امم کی پرورش ہوگی اور تیرا نام بھی اس آفاقی شخصیت کے ساتھ زندہ و جاوید رہے گا۔ اس بچہ کے طفیل تیری بانجھ اونٹنیوں اور بکریوں کو دودھ بھی ملے گا۔ نیز بنوسعد کے صحراؤں کے خودرو پھول اخامہ اور خدامہ خوشبو سے مہک اٹھیں گے۔

بنوسعد میں اس سال شدید قحط پڑا تھا۔ کئی دراز گوش اور بکریاں مر گئی تھیں۔ جھڑبیری کی خشک جھاڑیاں اور ہرمل کی خشک شاخیں دکھائی دیتی تھیں۔ حلیمہؓ کا بیان ہے ہم جب مکہ مکرمہ بچہ گود میں لینے آئے تو میرا خاوند حارث اور بچہ ہمراہ تھا۔ ہماری ناقہ اور دراز گوش بھی کمزور۔ موسم اس قدر خشک تھا کہ اونٹنی کا دودھ بھی خشک ہو چکا تھا۔ ہم موسم کی زہرہ گدازیوں سے پریشان تھے۔ جب یتیم محمد ﷺ کو گود میں لیا تو نہ صرف میرا بلکہ اونٹنی کے تھنوں میں بھی دودھ اتر آیا جو آپؐ نے اور میرے بچے نے جی بھر کے نوش کیا اور دونوں رضاعی بھائی سو گئے۔ واپسی پر ہمارا دراز گوش سب سے تیز چل رہا تھا۔ طائفہ بنوسعد کے ہمارے ہمراہی حیران تھے اور ہم فضا میں غیر مرئی سی خوشبوئیں محسوس کر رہے تھے۔ (ابن ہشام)

گلشن حیات کا نو دمیدہ پھول عہد طفولیت میں حلیمہ کی آغوش سے ہمک ہمک کر نکلتا ہے اور مچل مچل کر سنگلاخ اور پتھریلی زمین پر کھیلتا ہے، اٹھ اٹھ کر گرتا ہے اور گر گر کر اٹھتا ہے۔ اسی طرح

فطرت ایک پیدائشی حکمران کو عزم راسخ، خود اعتمادی اور عزیمت لازوال سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیتی ہے تاکہ آنے والے وقت میں اس کے لیے کائنات کا ذرّہ ذرّہ مسخر کیا جا سکے۔

ماں کی مامتا نے جوش مارا۔ حلیمہؓ، والدہ کو ملانے کے لیے بچہ گود میں اٹھائے عازمِ مکّہ ہوئی۔ خانہ کعبہ میں پہنچ کر بچے کو حطیم میں بٹھا دیا اور پیاس بجھانے کے لیے زمزم کی طرف رجوع کیا۔ تشنگی رفع کرنے کے بعد جب مڑ کر دیکھا تو بچہ غائب پایا۔ تلاشِ بسیار کے بعد پریشان کھڑی تھی کہ ایک پیر مرد نمودار ہوا۔ اُس نے پوچھا تو حلیمہؓ نے آبدیدہ ہو کر جواب دیا:

''میرا بچہ گم ہو گیا ہے۔ میں جب سے اسے دودھ پلانے پر مامور ہوئی ہوں، عجیب وغریب واقعات پیش آرہے ہیں۔ کبھی حیران کن خواب دیکھتی ہوں، کبھی مختلف قسم کی آوازیں سنتی ہوں۔''

وہ حلیمہؓ کو اخبار کے بُت عزیٰ کے پاس لے گیا اور ثنا وستائش کے بعد کہا:

''خداوند! سعدیہ کا بچہ گم ہو گیا ہے جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔''

نام سُن کر بت خانہ کانپ اٹھا اور کاہن پر بھی لرزہ طاری ہو گیا۔

حلیمہؓ نے یہ دیکھ کر بلند آواز سے کہا:

''یہ سب کچھ کیا ہے؟''

؎ حیرت اندر حیرت اندر حیرتم

لیکن سعدیہ کو ملہم غیب سے جواب ملا۔

غم مخور یاوہ نہ گردد اُوز تو
بلکہ عالم یاوہ گردد اندر اُو
(رومؒ)

یعنی۔

مومن کی ہے پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق
(اقبالؒ)

حضرت حلیمہؓ کا بیان ہے کہ آپؐ نے کبھی دونوں چھاتیوں کو منہ نہیں لگایا، ہمیشہ ایک چھاتی اپنے رضاعی بھائی کے لیے چھوڑ دیتے۔ حلیمہؓ ہی مروی ہیں کہ دودھ چھڑانے کے بعد آپؐ نے

جب با معنی جملے بولنے شروع کیے تو سب سے پہلے جو متبرک بول آپ کی زبان مبارک سے نکلے، وہ یہ تھے:

اللہ اکبر کبیرا و الحمد للہ کثیرا و سبحان اللہ بکرۃ واصیلا

عہد رسالت میں حلیمہؓ تشریف لائیں تو آنحضورؐ "میری ماں" کہہ کر لپٹ گئے اور حارثؓ نے بھی اسلام قبول کرلیا۔

پانچ برس کی عمر میں سعید فطرت بچہ درس گاہِ فطرت سے تعلیم پا رہا ہے اور رضاعی ہمشیرہ کے ساتھ بھیڑ بکریوں کی گلہ بانی کرتا ہے۔

شقِ صدر

ایک دن رضاعی بھائی دوڑتا ہوا گھر آیا اور کہا کہ دو آدمیوں نے قریشی بھائی کا سینہ چاک کر دیا ہے۔ حارثؓ اور حلیمہؓ وہاں پہنچے تو ننھے حضورؐ صحیح سلامت موجود تھے۔ پوچھا گیا تو فرمایا سفید کپڑوں میں ملبوس دو آدمی آئے اور میرا سینہ چاک کر دیا تھا۔ (ابن ہشام)

ایک دن گاؤں کے دوسرے بچے بھی ساتھ تھے۔ جنگل میں بکریوں کے ریوڑ چر رہے تھے کہ یکا یک کچھ ڈاکو آ گئے۔ ان کی ڈراونی شکلیں اور چمک دار تلواریں دیکھ کر تمام بچے سہم کر گھر کی طرف بھاگ گئے۔ لیکن ایک بہادر بچہ نہ ڈرتا ہے نہ گھر کی طرف بھاگتا ہے۔ لٹیرے بکریاں اکٹھی کر کے ہانک لیتے ہیں تو بچہ نہایت جرأت سے آگے بڑھتا ہے اور ڈاکوؤں سے کہتا ہے:

"یہ بکریاں تم نہیں لے جا سکتے۔ یہ گاؤں والوں کی ہیں۔"

اور ڈاکو ننھے کی بھولی بات سن کر ہنس دیئے لیکن سچائی کے چہرے پر ہمیشہ جلال ہوتا ہے۔ بچہ جب دیکھتا ہے کہ ڈاکو میری بات نہیں سنتے تو ننھا معصوم پھرتی سے آگے بڑھ کر راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ ڈاکو کمسن بچے کی دلیری دیکھ کر کہتے ہیں:

"راستہ چھوڑ دو۔"

بچہ جواب دیتا ہے:

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ جب تک میں زندہ ہوں، تم بکریاں نہیں لے جا سکتے۔"

قزاق حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکتے ہیں۔ حیرت اور تعجب کے ملے جلے جذبات لیے ان کا سردار آگے بڑھتا ہے۔ بچے کو پیار اور شفقت سے پوچھتا ہے:

''بیٹا، تمہارے باپ کا نام کیا ہے؟''

بچہ جواب دیتا ہے:

''عبدالمطلب۔''

اس وقت تمام عرب میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو سردارِ قریش کے نامِ نامی سے واقف نہ ہو۔ ڈاکو کہتا ہے:

''بے شک بنو ہاشم کے بچوں کو ایسا ہی بہادر ہونا چاہیے۔ ننھے میں تمہاری بہادری کی قدر کرتا ہوں، تمہاری بکریاں نہیں لے جاتا۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے؟''

بچہ جواب دیتا ہے:

''محمد...... صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔''

ڈاکو بار بار اس پیارے نام کو دہراتے ہوئے کہتا ہے:

''تمہاری پیشانی کا نور کہہ رہا ہے، تم بڑے ہو کر بنو ہاشم کا نام روشن کرو گے اور تمام عرب تم پر فخر کرے گا۔''

تاریخ شاہد ہے کہ قزاق کی پیش گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔

چھے برس کی عمر میں بچہ گھر واپس آ جاتا ہے تو خوب رو چہرہ، اُجلی آب و گل اور ہاتھ پاؤں کی اٹھان دیکھ کر بیوہ آمنہ آبدیدہ ہو جاتی ہے اور محمدؐ کے پُرنور چہرے کی جزیات دیکھ کر حیران ہوتی ہے کیوں کہ اب محمدؐ ہی آمنہؓ کی آرزوؤں، حسرتوں، امیدوں کے خواب کی حسین تعبیر ہے۔ جب دل میں مرحوم شوہر کا خیال آتا ہے تو بچے کو لے کر یثرب میکے پہنچتی ہے۔ سرتاج کے مرقد پر محبت کے آنسو نچھاور کرتی ہے۔ جب یثرب سے واپس چلتی ہے تو غریب الوطنی میں ابوا کے مقام پر بیمار ہو کر انتقال کر جاتی ہے۔ یہ مقام مستورہ سے مشرق کی جانب 20 کلومیٹر پر واقع ہے۔ اسے حزیبہ بھی کہا جاتا ہے اور جحفہ سے 23 میل دُور ہے۔ صلح حدیبیہ کے سفر میں آپؐ اس مقام پر پہنچے تو والدہ ماجدہ کی تربت پر تشریف لے گئے۔ فرطِ محبت سے رقت طاری ہوگئی۔ والدہ کی یاد میں دیر تک آنسو

بہاتے رہے۔

کنیز برکہ اُمّ ایمن تنہا بچے کو لے کر مکّہ معظمہ پہنچ جاتی ہے۔ اب یتیم پوتا، دادا کے سایۂ عاطفت میں پرورش پا رہا ہے۔ آٹھ برس کی عمر میں شفیق دادا کی انگلی پکڑے دُرِ یتیم طوافِ کعبہ میں مصروف ہے کہ قبیلہ بنی مولج کا سردار، عبدالمطلب سے کہتا ہے، ''اس بچے کی حفاظت کرو۔ اس کے نقوشِ پا جناب خلیلؑ اللہ کے پاؤں کے نشان سے مشابہ ہیں۔''

کفالت

دادا نے 82 برس کی عمر میں انتقال کیا تو آخری وقت اپنے محبوب پوتے کو اُس کے چچا ابوطالب کے سپرد کر دیا۔ اب چچا کی کفالت میں ہونہار بھتیجا پھولنے پھلنے لگا۔ چچا نے بکریاں چرانے پر مامور کر دیا کہ یہی گلہ بانی جہاں بانی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ چچا کی کفالت کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ مؤرخ کہتے ہیں، جناب ابوطالب کی معاشی حالت کمزور تھی۔ ظاہر ہے جو خود تنگ دست ہو، دوسرے کو کیا سہارا دے گا۔ ابوطالب کثیر الاعیال بھی تھے۔ وہ تو اپنے بچوں کا بوجھ بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے، دُرِ یتیم کی کفالت کیا کرتے۔ انہوں نے جناب جعفرؓ کو حضرت عباسؓ کی گود میں ڈال دیا تھا۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ اس گنج گراں مایہ کی پرورش میں براہِ راست خود قدرت کا ہاتھ مصروف تھا۔ بنی نوع انسان کے گلہ بان کو اپنی، ابومعیط کی بھیڑیں اور محلہ داروں کی بکریاں چرانے سے جو یافت ہوتی، اس سعی معاش سے ابوطالب کے گھریلو اخراجات کی کفالت ہوتی۔ سبحان اللہ! پروردہ سمجھا جانے والا پورے خاندان کا پرورکنندہ ثابت ہو رہا ہے۔ اسی دوران بھتیجا اپنے چچا ابوطالب کی کپڑے کی دکان میں ہاتھ بٹاتا ہے۔ (عبید بن عمیرہ)

سفرِ شام

ابوطالب تجارت کے سلسلہ میں شام کا سفر کرتے ہیں۔ کم سن بھتیجا بھی ہمراہ ہے۔ قافلہ ایک خانقاہ کے قریب قیام کرتا ہے تو بحیرا راہب جس کا نام جرجیس تھا، نسلاً عرب، مذہباً مانوی تھا، اپنے چیلے سے کہتا ہے:

''اس شاہراہ سے ہزاروں قافلے گزرے لیکن آج تک ایسا منظر دیکھنے میں نہیں آیا۔ فسطاس دیکھو، اس قافلے پر بادل کا ٹکڑا سایہ کناں ہے اور بادل اس طرح انبیائے کرام پر ہی سایہ فگن ہوا کرتے ہیں۔ ایک اور بھی عجیب بات ہے کہ یہ قافلہ جس درخت کے نیچے آرام فرما ہے، اس کی شاخیں جھک جھک کر ایک کم سن بچے کو دھوپ کی تمازت سے محفوظ رکھنے کے لیے کوشاں ہیں۔ جاؤ امیر کارواں سے ہماری ضیافت قبول کرنے کی درخواست کرو۔''

ابو طالب، راہب کی دعوت قبول کر لیتے ہیں۔ راہب کھانے کے بعد بچے کو الگ لے جا کر کچھ سوالات کرتا ہے اور پوچھتا ہے، تم خلوت پسند کرتے ہو؟ کبھی تخلیق کائنات پر بھی غور کرتے ہو؟ کیا تمہارے خواب سچے ہوتے ہیں؟ وہ بچے کے جواب اور نورانی تیور دیکھ کر اس کے مستقبل کا اندازہ کرتا ہے۔ پھر ابو طالب کو بچے کی حفاظت کی ہدایت کرتے ہوئے کہتا ہے، ''اس بچے کے چہرے پر نبوت کے آثار ہویدا ہیں۔''

عالمِ شباب

نبیؐ جس قوم اور ملک میں پیدا ہوا، اس جگہ نہ روئیدگی، نہ سبزی، نہ تہذیب و تمدن، نہ مدرسہ ہے نہ مکتب، نہ علم ہے نہ عمل۔ ایسے ماحول میں اُمّی لقب کے لیے حصولِ تعلیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اس عمر میں بھی شریف النسب اور نجیب الطرفین محمد ﷺ کھیل کود سے فطرتاً متنفر ہے کہ اُس کی شانِ بے نیازی ان مشاغل سے بالاتر ہے۔ صرف ایک ہی شغل ہے کہ صبح اونٹ اور بکریاں لے کر جنگل چلے گئے اور شام کو مویشی لوگوں کے گھروں تک پہنچا دیئے۔ البتہ سکوتِ صحرا اور مکتب فکر میں تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔ ابتدائے عمر میں قدم قدم پر غیر معمولی کیفیت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ مشرکانہ عبادات و عقائد سے مجتنب ہے۔

اب سبزۂ خط کا آغاز ہوا۔ بچپن سے عنفوانِ شباب میں قدم رکھا گیا تو بنی نوع انسان کا یہ بہی خواہ عام نوجوانوں کی طرح رات کو جی بھر کر سو نہیں سکتا بلکہ شب و روز غور و فکر میں محو رہتا ہے، تدبر کرتا ہے، سوچتا ہے کہ اس کائنات کا مقصد تخلیق کیا ہے؟ اس کا خالق کون ہے؟ شاید یہی غور و خوض اور سوچ اس کی عبادت میں شامل ہے۔

باب 3

شعائر اللہ

مکّہ مکرمہ۔ قرآن حکیم کے الفاظ میں، اُم القریٰ اِن اوّل بیت وضع للناس الذی ببکۃ مبارکاً و ھدًی للعالمین۔ امن والا شہر حضرت ابراہیمؑ کا مقامِ ہجرت اور حضور سرورِ کائنات کا مولد منشا، حضرت جبرئیلؑ اور قرآن پاک کے نزول کی جگہ، اللہ تعالیٰ نے اس وادیٔ غیر ذی زرع کی قسم کھائی ہے، نیز اسے ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ قرار دیا ہے۔ اس وادی کو رسول کریمؐ کی ایمان افروز تعلیم نے تابانی بخشی۔ اس علاقہ کا ہر پتھر مقدس، ہر کنکر متبرک اور ہر ذرّہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے منور ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اسی دن اس دیار کو حرم قرار دے دیا تھا جس دن کائنات کی تخلیق ہوئی تھی اور مکّہ مکرمہ کی حرمت قیامت تک بدستور قائم رہے گی۔ حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ اس شہر میں ہر روز جنت الفردوس کی خوشبو نازل کی جاتی ہے۔ یہ شہر دنیا کے نقشہ پر 21 عرض بلد شمال اور 40 طول بلد مشرق کی جانب حجاز میں واقع ہے۔ سطح سمندر سے چار سو فٹ بلند ہے۔

وادیٔ اُم القریٰ کا محل وقوع ایسا ہے کہ اگر یہاں بیت عتیق اور زمزم نہ ہوتے تو شاید سرے سے یہاں کوئی آبادی ہی نہ ہوتی۔ اس جگہ قدرتی چشمے بھی نہیں۔ زندگی کی ضروریات کے لیے کوئی پیداوار بھی نہیں۔ کارساز مطلق کی مشیت کہ اس خطہ کی آبادی کے لیے بہترین سامان پیدا کر دیئے گئے۔

بنائے کعبہ

بیت عتیق اہل توحید کا مرکز و مرجع اور ملّت ابراہیمی کا اصل وطن، اللہ تعالیٰ کی مصلحت

ہے کہ اس بے آب و گیاہ وادی اور لق و دق صحرا میں اپنا گھر بنایا۔ پہلی نظر میں یوں معلوم ہوتا ہے جیسے پہاڑوں کے دامن اور محلات کی آغوش سے نور کا آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔ اس کی بنیاد توحید و تقویٰ پر رکھی گئی۔ اس کی تاریخی اہمیت کا تعین انسانی ادراک سے بعید ہے۔ لفظ کعبہ، عربی زبان میں مربع اور مدّ ور دونوں معنی میں مستعمل ہے۔ تاہم عربی کی قدیم تاریخی کتب میں کچھ ذکر ملتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی رقم طراز ہیں کہ فرشتوں کی پیدائش سے پیشتر حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے امرِ کُن سے اس کی تخلیق ہوئی۔ جب مرورِ ایّام سے آثار محو ہو گئے اور حضرت آدمؑ کا مسکن زمین بنایا گیا، تو جناب ابوالبشرؑ بارگاہ الٰہی میں معروض ہوئے:

''اے مالک! میں فرشتوں کی تسبیح و تہلیل جس طرح آسمانوں پر سنتا تھا، یہاں نہیں سُن رہا اور نہ بیت المعمور کی طرح کوئی طواف گاہ موجود ہے، جہاں طواف کر سکوں اور نہ مشک و کافور سے معطر پانی ہے۔''

تو حق تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا:

''اے آدمؑ! جبرئیل جس جگہ نشان دہی کریں وہاں ایک مکان تعمیر کر لیجئے، اس کا طواف کیجئے اور اس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کیجئے۔''

چنانچہ حضرت آدمؑ اور جبرئیل امینؑ نے مل جل کر کعبہ کی بنیادیں پہاڑوں کی نشیبی وادی کے عین وسط میں استوار کیں جس میں پانچ پہاڑوں کے پتھر استعمال کیے گئے۔ کوہ لبنان، طور زیتا، طور سینا، اجودی اور حرا۔ جب بنیادیں سطح زمین سے کچھ اوپر ہو گئیں تو طواف صلوٰۃ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ طوفانِ نوحؑ میں کعبہ کے نشان معدوم ہو گئے۔ یہ طوفان 150 دن تک رہا اور التنور کے مقام سے پانی کا اندراؤ شروع ہوا۔ نیز نوحؑ کی کشتی نے کعبہ کا طواف بھی کیا تھا۔ اب اس جگہ ریت کا ٹیلہ بن گیا۔ پھر خلیل اللہؑ کو حکم ہوا کہ کعبہ کی بنیاد رکھیں تو نشان دہی کے لیے بادل کا ٹکڑا ہوا میں معلق ہو گیا۔ اس کے سایہ کی جگہ جبرئیل نے خط لگا دیا۔ خلیل اللہؑ نے اپنے پسر حضرت اسمٰعیلؑ کی معاونت سے جگہ کھودی تو حضرت آدمؑ کی تعمیر کردہ بنیاد نکل آئی۔ پسر اردگرد کے پہاڑوں سے پتھر لا کر دیتے اور پدر دیواریں چنتے۔

حضرت ابراہیمؑ کے لب پر دُعا تھی:

و اذ قال ابراھیم رب جعل...... الخ...... تعلم یشکرون۔ (سورہ ابراھیمؑ)

ترجمہ: اے پروردگار، اس شہر کو پُر امن بنا دے۔ مجھے اور اولاد کو بُت
پرستی سے بچا۔ پروردگار! ان بتوں نے بہتیرے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔
سو جو میرے طریقے کی پیروی کرے، وہ میرا ہے اور جو میرے طریقے
سے پھر جائے تو تو یقیناً غفور اور رحیم ہے۔
پروردگار! میں نے اپنی نسل کے ایک حصہ کو اس عزت والے گھر کے
پاس اس بے آب وگیاہ آبادی میں لا بسایا ہے تاکہ یہ نماز قائم کریں۔
پس لوگوں کے دلوں میں ایسا شوق ڈال کہ وہ ان کی طرف کھنچ کھنچ کر
آئیں اور ان کو پھلوں کا رزق پہنچا۔ امید ہے کہ یہ شکر گزار بنیں گے۔

جب مچان کی ضرورت محسوس ہوئی تو معمارِ اعظمؑ نے بیٹے سے فرمایا کہ ایک بڑا پتھر لے آؤ جس پر کھڑے ہو کر دیواریں اونچی کی جا سکیں۔ آپ کوہ بوقبیس سے پتھر اُٹھانے گئے تو جبرئیل امینؑ نے دو پتھروں کی نشان دہی کی جو حضرت آدمؑ جنت سے لائے تھے۔ ان کو حضرت ادریسؑ نے محفوظ رکھنے کے لیے ایک جگہ دبا دیا تھا۔ آپ دونوں پتھر اٹھا لائے۔ ایک پر کھڑے ہو کر تعمیر شروع کر دی جس کا نام قرآنِ پاک کے مطابق مقامِ ابراہیم ومصلےٰ ہے جس پر آپ کے مبارک قدموں کے نشان آج تک موجود ہیں۔ یہ معمارِ کعبہ کو مچان کا کام دیتا تھا۔ اب شیشہ کے گلوب میں مطاف میں محفوظ ہے۔ اور دوسرے پتھر کو کعبہ کے گوشہ میں نصب کر دیا جس کا نام حجرِ اسود ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے 9 گز اونچی 30 گز طویل دیواریں تعمیر کی تھیں۔ چھت نہیں بنائی تھی۔ اس طرح کعبہ آج تک گیارہ مرتبہ تعمیر ہو چکا ہے۔ حضرت آدمؑ، حضرت شیثؑ، سیّدنا ابراہیمؑ، قوم عمالقہ، بنو جرہم، قصی بن کلاب، قریش، عبداللہ بن زبیرؓ، حجاج بن یوسف، سلطان احمد، سلطان مراد اور یہی آخری تعمیر ہے۔ (علامہ ارزانی)

دُرِ یتیمؐ کی عمر مبارک 7 برس تھی۔ ایک حادثہ میں کعبہ کی دیواروں میں شگاف پڑ گیا۔ قریش اس کی مرمت کر رہے تھے۔ آپ بھی اس کی تعمیر میں شامل تھے۔ پتھر اٹھاتے ہوئے آپؐ کے کندھے زخمی ہو گئے۔ جب کوئی پتھر اٹھا کر لاتے تو تہبند کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہوتی۔ یہ دیکھ کر حضرت عباسؓ نے آپ کا پلو کھینچا تو آپ برہنہ ہو گئے۔ اپنی فطری شرم وحیا کی وجہ سے بے ہوش

ہو گئے۔ سب لوگ حیران ہوئے۔ جب آپ کو تہبند پہنایا گیا تو ہوش میں آ گئے۔

آنحضورؐ کی 25 برس عمر ہے۔ کعبہ کی دیواریں بوسیدہ ہو گئیں۔ قریش کے ایما پر تعمیر نو ہوئی جس میں آپؐ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی۔ حضرت خلیلؑ اللہ کی تعمیر میں کچھ تبدیلی ہو گئی۔ سامان کی کمی کے باعث حطیم کا حصہ چھوڑ دیا گیا اور باقی پر چھت بنا دی گئی۔ سقف پر جو لکڑی استعمال ہوئی، وہ ایک شکستہ جہاز کی تھی جو رومیوں سے مکہ مکرمہ کی قدیم بندرگاہ شیبعہ (جدّہ) پر ولید بن مغیرہ نے خریدا تھا۔ ولید، باقوم نامی معمار اور ایک قبطی نجار کو بھی ساتھ لے آیا تاکہ تعمیر میں آسانی ہو۔ حطیم کے حصہ میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا مزار ہے۔ (ابن ہشام)

حجرِ اسود

سرکارِ دوؑ عالم نے فرمایا کہ ازل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام روحوں سے اقرار لیا تھا اور اس پتھر میں محفوظ کر دیا تھا۔ قیامت میں اس پتھر کو زبان عطا ہو گی۔ یہ شہادت دے گا کہ فلاں شخص نے بیت اللہ کا طواف کیا اور بوسہ دیا تھا۔ ایک حدیث ہے کہ جب پتھر جنت سے بھیجا گیا تو اس کا رنگ سفید نورانی تھا۔ مرورِ ایام سے اب سیاہ ہو چکا ہے۔ ایک حادثہ میں اس کے ٹکڑے ہو گئے تو شاہِ وقت نے اسے چاندی کے خول میں محفوظ کرا دیا۔ 9 صدی ہجری میں قرامطہ کا درندہ صفت حکمران ابو طاہر، بیت اللہ میں آیا۔ کئی ہزار حجاج کو شہید کرایا اور حجرِ اسود اکھاڑ کر عراق لے گیا۔ لیکن چوبیس سال بعد پھر بیت اللہ شریف میں نصب کیا گیا۔

دوسری روایت ہے کہ سعید الجنابی حجرِ اسود اکھاڑ کر لے گیا۔ اھواز میں دو ٹکڑے کر کے اپنے بیت الخلا میں نصب کر لیے۔ آخر بارہ سال کے بعد شاہ مصر نے مداخلت کر کے حجرِ اسود واپس منگایا اور خانہ کعبہ میں پیوست کرایا۔

حجرِ اسود کی تنصیب

سن شریف 35 برس ہے کہ کعبہ کی دیواریں حادثہ کی وجہ سے شکستہ ہوئیں۔ قریش اور دیگر قبائل مل جل کر کعبہ کی تعمیر کرنے لگے۔ جب حجرِ اسود نصب کرنے کا وقت آیا تو اختلاف پیدا ہوا۔ ہر

قبیلہ چاہتا ہے کہ یہ سعادت ہمیں نصیب ہو۔ عدی اور عبدالدار حریف ہیں۔ دونوں طرف کے بہادر نوجوان خون میں انگلیاں ڈبو کر تلواریں سونت لیتے ہیں کہ بنی موسیٰ کا سردار ابو امیہ کسی کو ثالث بنا لینے کی تجویز پیش کرتا ہے۔ فیصلہ ہوتا ہے کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہو، اُسے حکم مان لیا جائے۔ مشیت الٰہی کہ طلوعِ سحر سے پہلے صرف وہی یکتائے روزگار حدود حرم میں داخل ہوئے جن کی مہریں جریدۂ عالم پر ثبت ہونے والی ہیں۔ قریش اور دیگر قبائل متفقہ طور پر پکار اٹھتے ہیں:

''ھذا الامین رضینا ھذا۔ محمد امین آ گئے۔ ہم ان کے فیصلہ پر رضامند ہیں۔''

امینؐ و صادقؐ نے کچھ سوچ کر ہر قبیلہ کے سردار کو بلایا۔ اپنی چادر بچھائی، حجر اسود اٹھا کر چادر پر رکھا اور سب سرداروں سے کہا کہ کنارے اٹھاؤ اور خود حجر اسود اٹھا کر کعبہ کی دیوار میں موجود جگہ پر نصب کر دیا۔ حجر اسود کی تنصیب کے باعث آپ کی شخصیت قد آور ہو گئی۔

اس طرح بیابانوں اور چراگاہوں میں دن بسر کرنے والے مدبّر کامل پیکر امن و سلامتی اور مجسمہ رحمت و عافیت نے قریش کے اس فتنہ کو جس کی وجہ سے امن و عافیت کے آبگینے چُور ہونے والے تھے، ایک جنبش نگاہ سے صلح و آشتی میں تبدیل کر دیا۔ اور ایک بڑی جنگ کا آغاز ہی میں خاتمہ کر دیا۔ قریش، امین کی اصابت فکر پر داد و تحسین کے پھول نچھاور کرتے ہیں اور وہ کعبہ جس کی بنیادیں خلیلؑ اللہ نے استوار کی تھیں سرکارِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری پتھر رکھ کر اس کی تکمیل کر دی۔

ع یہ اعجاز ہیں ایک صحرا نشیں کے

سرکارِ دوؐ عالم کے قلب منور کو مہبط وحی الٰہی بننا تھا تو اُس کی تربیت بھی اسی انداز سے کی گئی۔ باعث تکوین و تخلیق عالم کی فطرتِ سعید ہر اس مسلک سے اجتناب کرتی ہے جس پر کسی برائی کا شائبہ بھی ہو۔ موحد اعظم ہمیشہ مراسم شرک سے بھی محترز رہتا ہے۔ حالاں کہ قریش ہی کعبہ کے کلید بردار تھے جس میں اس وقت بھی کئی سو بُت رکھے ہوئے تھے۔ سرورؐ عالم کے حسن سیرت کو غیر شریفانہ معاشرت کسی طرح بھی آلودۂ رسوم نہ کر سکی۔ آپؐ کی سلیم فطرت ہمیشہ آڑے آ جاتی۔ عربوں کی سفاکی اور خون آشامی کی داستانیں اکنافِ عالم میں مشہور تھیں۔ یہ بات بات پر تلواریں سونت لیتے تھے لیکن پیغمبرؐ امن و سلامتی کا دامن کبھی خون ناحق کے چھینٹوں سے داغ دار نہ ہو سکا۔

آپؐ کا پاکیزہ کردار، مطہر سیرت چاندنی کی طرح شفاف اور روشن رہی۔ آپ معلّم اخلاق تھے، ہمیشہ حسن معاملہ کی راہ پر گامزن رہے۔ ابتدائی عمر سے تا بہ سنِ رُشد ذریعہ معاش تجارت رہا۔ لیکن اخلاق کی پاکیزگی، دیانت، راست بازی اور راست گوئی آپ کا مسلک رہا۔ تمام ملک نے متفقہ طور پر آپ کو امین کا لقب دے رکھا تھا۔ پھر یہی امین و صادقؐ اہل مکّہ کے لیے ایک بینک بن گیا جس میں تمام لوگوں کی امانتیں نام بہ نام جمع رہتیں اور آگے چل کر اسی دیانت عمل نے وہ بارِ نبوت اٹھایا جس کے اٹھانے کے لیے زمین و آسمان نے اظہارِ معذوری کر دیا تھا۔

متاہل زندگی

25 برس کی عمر ہے۔ ذوالحجہ 25ھ عام الفیل ہے اور دودمانِ ہاشمی کا خوبرو، بلند اخلاق، نجیب و شریف نوجوان خیر الخلائق ہستی کو جو بہ اعتبارِ حسن سیرت اور حسن صورت تمام مکّہ میں منفرد ہے، خاندان قریش کی متمول و ممتاز عاقل و فرزانہ خاتون جو طاہرہؓ کے لقب سے موسوم ہے، آپ کو شریک تجارت بناتی ہے۔ آپؐ شام کے تجارتی سفر پر روانہ ہوتے ہیں۔ اس سفر میں نسطورا کے مقام پر قیام فرمایا تو راہب نے صومعے سے نکل کر آپ کے ساتھی سے پوچھا:

''یہاں کون ٹھہرا ہے؟''

میسرہ نے بتایا تو اُس نے کہا:

''چھے سو سال سے اس درخت کے نیچے کوئی شخص نہیں ٹھہرا۔ ہاں حضرت عیسیٰؑ ٹھہرے تھے اور حضرت مسیحؑ نے بشارت دی تھی میرے بعد یہاں آخرالزماں نبی الامّی قیام فرمائیں گے۔''

امینؐ شام کے سفر سے کثیر نفع لیے واپس آتے ہیں تو چالیس سالہ بیوہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد کے دل میں شریک تجارت کو رفیق زندگی بنا لینے کا خیال آتا ہے۔ روشناسی احساسِ رفاقت پر منتج ہوتی ہے۔ نیک سرشت بیوہ، پاک باز امین کو نفیسہ کنیز کی معرفت پیغام بھجواتی ہے اور ممدوح دو جہاںؐ، طاہرہ خاتونؓ کو رفیق حیات بنا لیتے ہیں۔ عمر بن سعد رشتہ ازدواج میں منسلک کرتے ہیں۔ پانچ سو درہم مہر قرار پاتا ہے۔ تمام رؤسائے خاندان، ابو طالب، حضرت حمزہؓ، طاہرہ خدیجہؓ کے مکان پر جاتے ہیں۔ حضرت خدیجہؓ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت پر آنحضورؐ کے خاندان

سے مل جاتا ہے۔

متاہل زندگی فریقین کے لیے خوش گوار ثابت ہوتی ہے۔ ام المومنینؓ کے بطن اور آپ کے صلب سے دو بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

رسولؐ اکرم کے صاحب زادے اور صاحب زادیاں

آنحضرت ﷺ کی چار صاحب زادیاں تھیں۔

1۔ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ آپؐ کی صاحب زادیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ ان کی شادی ان کی ماں حضرت خدیجہؓ نے اپنی خالہ کے لڑکے ابوالعاص بن ربیع الاموی کے ساتھ کر دی۔ ان کا انتقال 8ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا۔ ان کے بطن سے ایک فرزند اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

2۔ سیّدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ یہ سیّدہ زینبؓ سے چھوٹی تھیں۔ ان کی شادی قبل اسلام ابولہب کے بیٹے عتبہ کے ساتھ ہوئی۔ ظہورِ اسلام کے بعد ابولہب نے اپنے بیٹے سے طلاق دلوا دی اور سیّدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضرت عثمانؓ بن عفان سے ہو گئی۔ 3ھ میں وفات پائی۔ ان کے بطن سے ایک لڑکا تھا جس کا نام عبداللہ تھا۔

3۔ سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔ سیّدہ رقیہ سے چھوٹی تھیں۔ ان کی شادی بھی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتیبہ کے ساتھ قبل از اسلام ہوئی تھی اور انہیں بھی ابولہب نے عتیبہ سے طلاق دلوا دی تھی۔ سیّدہ رقیہؓ کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان کی شادی بھی حضرت عثمانؓ کے ساتھ کر دی۔ اس لیے عثمان غنیؓ کو ذوالنورین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ 9ھ میں بمقام مدینہ منورہ انتقال فرمایا۔

4۔ سیّدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ ان کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا۔ انہوں نے آنحضرتؐ کے وصال کے چھ ماہ بعد 3 رمضان 11ھ کو انتقال فرمایا۔ ان کے بطن سے دو صاحبزادے حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ اور دو لڑکیاں حضرت زینبؓ اور حضرت کلثومؓ پیدا ہوئیں۔ حضرت اُم کلثومؓ کی

شادی حضرت فاروق اعظمؓ سے ہوئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین صاحب زادے تھے، جن کے نام ابراہیمؑ، طاہرؓ اور قاسمؓ تھے۔ انہوں نے عالم طفولیت ہی میں انتقال فرمایا۔ طاہرؓ اور قاسمؓ، حضرت خدیجہؓ کے بطن سے اور ابراہیمؑ، حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔

سرورِ کائنات کے داماد

حضرت عثمانؓ بن عفان الاموی۔ آپ کی صاحبزادیاں سیّدہ رقیہؓ اور سیّدہ اُم کلثومؓ یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں آئیں جن کی وجہ سے آپؓ ذوالنورین کہلائے۔

حضرت علیؓ بن ابو طالب ہاشمی۔ آپؐ کی چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے شوہر تھے۔ دو فرزند حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور صاحبزادیاں حضرت زینبؓ اور ام کلثومؓ پیدا ہوئیں۔

ابوالعاصؓ بن الربیع الاموی۔ آپؐ کی بڑی صاحبزادی سیّدہ زینبؓ کے شوہر تھے جن سے ایک بیٹا علی اور ایک بیٹی امامہ پیدا ہوئیں۔

آپؐ کے نواسے اور نواسیاں

حضرت حسنؓ بن علیؓ۔ آپؐ کی چھوٹی صاحبزادی سیدہ النساء حضرت فاطمہ بنت الزہراؓ کے بڑے صاحبزادے تھے۔

حضرت حسینؓ بن علیؓ۔ سیّدہ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔

سیّدہ زینبؓ بنت علیؓ۔ سیّدہ فاطمۃ الزہراؓ کی صاحبزادی تھیں۔

سیّدہ اُم کلثومؓ بنت علیؓ۔ سیّدہ فاطمۃ الزہراؓ کی صاحبزادی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عثمان غنیؓ۔ آپؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کے فرزند تھے جو کم سنی میں وفات پا گئے۔

حضرت علیؓ بن ابی العاص الاموی۔ آپؐ کی بڑی صاحبزادی سیّدہ زینبؓ کے لڑکے تھے۔

امامہؓ بنت ابی العاص الاموی۔ سیّدہ زینبؓ کی صاحبزادی تھیں۔

قدرت کا اہتمام دیکھئے کہ اس وقت مکّہ کے تمام اصرار اور رؤساء کے پاس مجموعی طور پر جس قدر دولت تھی، اس سے زیادہ مال مکّہ کی اس متمول خاتون خدیجہؓ کے پاس انفرادی طور پر تھا۔ اب وہ تمام دولت گلہ بانی کر کے گزر اوقات کرنے والے درویش کے تصرف میں دے دی جاتی ہے۔ اس طرح شہر کے اکابرین میں امین کا رُتبہ اقتصادی طور پر بھی بلند ہو جاتا ہے۔ اب دُرِ یتیم کو محلات میں رہائش اور پھولوں کے باغ میں چہل قدمی کے مواقع میسر آ جاتے ہیں لیکن وہ جس کی شانِ الفقر وفخری کے سامنے شاہانِ عالم بھی ہیچ ہیں، اس فارغ البالی کے باوجود پہاڑوں کے اندھیرے غاروں میں بیٹھ کر تدبر کرتا ہے، پہروں گہری سوچ میں ڈوبا رہتا ہے اور وہ دولت جس پر اُسے پورا پورا اختیار دے دیا گیا ہے، غریبوں، مسکینوں اور مہمانوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ وہ خود ایک پیوند لگی کملی اوڑھتا ہے، چٹائی کے فرش پر سوتا ہے۔ ستوؤں اور کھجوروں پر گزر اوقات کرتا ہے۔ اس طرح زندگی متمدن مراحل طے کرتی منزل بہ منزل خاندانی وجاہتوں کو روندتی اور وطنی ضرورتوں کو پورا کرتی باطل کی قوتوں اور رسموں کو مسلتی جادۂ حق کی طرف مسلسل بڑھتی رہتی ہے۔

سراپا

اس حُسن اور حُسنِ سیرت میں منفرد جوان کا بوٹا سا قد نہ طویل القامت نہ پست، سر بڑا، سیاہ نیم گھنگرالے بال، کشادہ جبیں، بھنویں خمیدہ، آنکھیں بڑی سیاہ اور سفیدی کے حلقہ میں سُرخ ڈورے، جاذبیت اور زود فہمی کے آثار نمایاں، لمبی پلکیں، ستواں ناک، دانتوں کے درمیان باریک سا خط، ریش مبارک گھنی، گردن لمبی، سینہ کشادہ، ہاتھ اور پاؤں کے تلوے گداز و نرم جسم ذرا آگے کو جھکا ہوا، رفتار میں باوقار تیزی، ہر قدم اپنی جگہ پر جم جاتا، رنگ گورا، بشرے میں ذہانت و فطانت، نگاہوں میں تفکر اور حاکمانہ جلال، جو دوسروں کو اطاعت پر جھکا لے۔ حسن اخلاق کا مجسمہ، مردانہ

حُسن اور جوانمردی کا بہترین نمونہ، جسم معطر، گفتگو میں باوقار نرمی، طرزِ تکلم نہایت پُر تاثیر۔ بقول علامہ اقبالؒ، سرکارِ دوؐ عالم کی آنکھوں میں دوشیزہ لڑکیوں سے زیادہ حیا تھی اور آپؐ کا قلب منور تاثرات لطیفہ کا سرچشمہ تھا۔ غرض آپؐ خالقِ کائنات کا شہکارِ عظیم تھے۔ آپ ؐ کی مسکراہٹ سے کلیوں نے مسکرانا سیکھا۔ آپؐ کے پسینے کی خوشبو سے گلاب اور چنبیلی نے اکتساب کیا۔

آپؐ کی درویشی کے سامنے قیصرانِ وقت جھکے۔ جو شقی القلب آپ کی راہوں میں کانٹے بچھاتے رہے، اُن پر آپؐ پھول نچھاور کرتے رہے۔ آپؐ نے حضرت بلالؓ اور فاروق اعظمؓ کو ایک صف میں کھڑا کر دیا۔ آپؐ دُرِ یتیم تھے، غلاموں، اجیروں، بے کسوں، یتیموں کی دست گیری فرمائی۔ آپؐ لولاک کے مالک تھے لیکن فقیرانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ جب گفتگو فرماتے تو فصاحت نطق کے بوسے لیتی اور بلاغت الفاظ پر نثار ہوتی۔ آپؐ سب سے کریم، سخی اور رحیم تھے۔ شجاعت آپ کے قدم لیتی تھی، اس لیے کہ آپ اشجع العرب تھے۔ پہلی نظر جو دیکھتا، وہ مرعوب ہو جاتا۔ آپؐ خلق عظیم کے پیکر تھے۔ آپؐ کی تعلیم نے عرب کے بدوی حضرات کو آدھی دُنیا کا حکمران بنایا۔ کبھی پیشانی پر شکن پڑتی تو کائنات کانپ اٹھتی۔ راستے کے پتھر، شجر اور فرشتے آپ کے حضور درود و سلام کے ہدایا پیش کرتے اور خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ورفعنا لك ذكرك۔

لباس

شخصیت عموماً لباس سے ظاہر ہوتی ہے اور وضع قطع، پاکیزگی و صفائی سے سیرت و کردار پر روشنی پڑتی ہے۔ آپؐ کا لباس عموماً صاف ستھرا اور سفید ہوتا۔ قرآن کریم کے مطابق، بہترین لباس تقویٰ ہے۔ آپؐ نے تنگ آستین کا رومی جبّہ استعمال فرمایا اور طلیسائی جبہ بھی جس کے گریبان پر گوٹ ہوتی۔ سبز پیراہن پسند فرمایا۔ ایک دفعہ شتری رنگ کا لباس بھی زیب تن فرمایا۔ جوتی تسمے دار ہوتی، پہنتے ہوئے دایاں پاؤں اور اتارتے ہوئے بایاں پاؤں پہلے نکالتے۔ جرابیں اور موزے بھی استعمال فرماتے جو نجاشی شاہِ حبش نے تحفتاً بھیجے تھے۔ دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں چاندی کی انگوٹھی پہنتے جس پر محمدؐ رسول اللہ کندہ تھا۔ یہی آپؐ کی مہر تھی جو احکامات پر ثبت کی جاتی۔ سوتے وقت سُرمہ

استعمال فرماتے، سر میں تیل ڈالتے اور کنگھا استعمال فرماتے۔ آپ کو ریحان اور حنا کی خوشبو پسند خاطر تھی۔ جس طرف سے گزر جاتے گلیاں مہک اٹھتیں کہ ع

گزرا ہے اس طرف سے بہاروں کا قافلہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

مکہ مکرمہ میں قحط سالی تھی۔ جناب ابوطالب کثیر العیال تھے۔ نبی کریمؐ حالات سے متاثر ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کاشانۂ نبوت میں لے آئے تاکہ معاشی حالات میں کچھ آسانی ہو جائے۔ آپ ہی کی تربیت کے زیر اثر ابوتراب آگے چل کر بہادر، سخی، فلسفی، ادیب و شاعر، بابِ علم اور خلیفہ چہارم بنے۔

حضرت زید بن حارثؓ

سرکارِ دوؐ عالم کا منہ بولا بیٹا، عمر قریباً آٹھ سال، خوبرو، شائستہ۔ حضرت خدیجہؓ کا عم زاد بازار عکاظ سے خرید لایا تھا جو گھر کے کام کاج کے لیے کاشانۂ نبوت میں حضور کے زیر تربیت رہا۔ کچھ عرصہ بعد زید کا والد اور چچا تلاش کرتا ہوا حضورؐ کے پاس پہنچا اور معروض ہوا کہ زید میرا بیٹا مجھے عطا فرما دیجئے، آپ چاہیں تو میں زائد رقم بھی پیش کر سکتا ہوں۔

حضور اکرمؐ نے سوچ کر فرمایا:

''بہتر ہے آپ زید سے پوچھ لیں۔ اگر وہ جانا چاہے تو بہ خوشی ساتھ لے جائیں۔ میں کسی معاوضہ کا خواہاں نہیں۔''

اتنے میں زیدؓ بھی آ گئے۔ وہ باپ کو دیکھ کر لپٹ گئے۔ باپ اور بیٹا دونوں آبدیدہ ہو گئے۔ جب والد کے ساتھ جانے کے لیے پوچھا گیا تو زیدؓ نے انکار کر دیا۔ باپ اور چچا سُن کر حیران رہ گئے۔ زیدؓ نے کہا:

''مجھے یہاں ماں باپ سے بڑھ کر محبت اور شفقت مل رہی ہے۔''

باپ نے کہا: ''کیا تو غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتا ہے؟''

بیٹے نے جواب دیا: ع

محمدؐ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی

جب آنحضورؐ نے یہ الفاظ سنے تو کعبہ میں کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ آج سے زیدؓ میرا منہ بولا بیٹا ہے۔ حارث، جو مذہباً عیسائی تھا، یہ سُن کر چلا گیا۔ جب زیدؓ جوان ہوئے تو سرکارِ دو عالمؐ نے اپنی پھوپھی زاد زینبؓ بنت جحش سے نکاح کر دیا۔ یہ تھی حضور اکرمؐ کی قبل از نبوت سیرتِ اقدس۔ حضرت زیدؓ وہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآنِ پاک میں محفوظ ہیں۔

باب 4

منصب رسالت

چالیس برس کی عمر تک سرکارِ دوجہاں کو کئی ہفت خواں طے کرنے پڑے۔ آپؐ کو مختلف قسم کے امتحانات، تجربات، مشاہدات کی بھٹیوں میں تپایا گیا تا کہ یہ سونا کندن بن جائے۔ کبھی سینۂ بے کینہ کو شق کیا گیا تو کبھی جگر کاویوں، دل سوزیوں اور طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا رکھا گیا۔ تا کہ مہبط وحی والہام کے ظرفِ عالی میں رسالت و نبوت کا بار اٹھانے کی خصوصیت پیدا ہو جائے۔ تمام مکّہ کی وادی میں صرف ایک شخص ہے جو مکّہ کی گلیوں میں رہتے ہوئے بھی اس طرزِ معاشرت سے متنفر ہے۔ ان تمام مشاغل زندگی میں جو اس قوم کا جزوِ زندگی ہیں، کوئی حصہ نہیں لیتا۔ سب سے الگ تھلگ رہتا ہے کیوں کہ وہ مطمئن نہیں۔ اپنے اندر ایک خلا محسوس کرتا ہے اور جب کچھ سمجھ نہیں آتا تو جبین نیاز، حریم کعبہ کے سامنے جھکا دیتا ہے۔

اور جب نورِ حقیقت نظر نہیں آتا تو ٹھنڈی سانس لیتا ہے۔ اس کا ذوق تشنہ ہے۔ وہ کسی کو تلاش کرتا ہے لیکن نہیں پاتا۔ وہ کبھی آسمانوں کی ناپیدا کنار پہنائیوں پر سوچتا ہے، کبھی صحراؤں کی وسعت پر غور کرتا ہے اور کبھی مظاہر فطرت کی گوناگوں نیرنگیوں پر تدبّر کرتا ہے۔ جب اندرونی خلش بڑھتی ہے تو جذب و ضبط سے کام لیتے ہوئے خاموش ہو جاتا ہے۔ خلوت پسند نبیؐ ان احوال و مقامات کی وجہ سے بہت زیادہ بے قرار و مضطرب ہوتا ہے تو کچھ کھانے پینے کی اشیا لے کر شہر کے باہر ایک غار میں چلا جاتا ہے اور حرا کے گوشے میں بیٹھ کر ان مسائل حیات پر جو وجہ کاوش بنے ہوئے ہیں، پہروں غور کرتا ہے۔ خالقِ کائنات کون ہے؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ بعد از مرگ کیا ہوتا ہے۔ مبداء فیض نے جب قلب کو وحی ایزدی کی متاعِ عظیم کا امین بنانا چاہا تو خواب سچے ہونے شروع

ہو گئے۔ اس کی تربیت کا اہتمام بھی خصوصیت سے کیا۔ حیاتِ طیبہ کے مطالعہ و تفکر پر غور کیا جائے تو علم و بصیرت اور عرفانِ نبوت کا سرچشمہ نظر آتی ہے۔ جب فکر و تدبر، سوز و گداز، تپش و خلش، شوق و ذوق کے ولولے اور سکوت جانکاہ کے صبر آزما مرحلے ختم ہو گئے تو پیکرِ آب و گل اور نورِ مجسم کے قلب عالی میں وہ فولادی عنصر پیدا کیے گئے جو ایک انقلاب آفرین پیغام کے حامل بن سکیں جس کے لیے چالیس سال کی طویل مدت کا انتظار کیا گیا تھا۔ پھر جب طلب حق اپنی شدت کے تمام مراحل طے کر چکی اور مشیت کے اندازوں کے مطابق، نگاہِ شوق میں تابِ نظارہ پیدا ہو چکی تو عروسِ حقیقت حریم قدسی سے غارِ حرا کی تاریکیوں میں جلوہ بار ہونے کے لیے از خود بے تاب ہو گئی۔ جب فطرت کے حسین چہرے سے نقاب اٹھی تو تمام کائنات جگمگا اٹھی۔ 17 رمضان کے دن کی ایک فقید المثال ساعت جو دُنیائے قدیم اور جہانِ نو میں حد فاصل تھی۔ جب رموزِ کائنات کے پردے اٹھے تو رُوح الامین کا نزول ہوا۔

غارِ حرا میں خلوت گزینی

یہ مکّہ مکرمہ سے قریباً چار میل کے فاصلہ پر عرفات کو جانے والے راستے کے کنارے کوہِ نور کی چوٹی پر واقعہ ہے۔ جبل نور اپنی ساخت کے لحاظ سے ہیبت ناک اور منفرد ہے۔ یہ مٹیالے رنگ کے پتھروں کا وہ مسکن ہے جو بر سر رسالت کی سجدہ گاہِ معرفت ہے۔ جہاں نبوت سے قبل رسول اللہؐ چالیس برس کی عمر تک قیام فرماتے رہے اور اَن دیکھے خدا کی عبادت کرتے رہے۔ ان پتھروں کی خوش نصیبی پر رشک آتا ہے کہ انھوں نے رسولؐ اللہ کی زیارت کی۔ اس کے کنکروں نے بار ہا حضورؐ کے قدم چومے۔ چوں کہ حرا کے معنی تحقیقات کے بھی ہیں، اس لیے یہی وہ اوّلین مکتب فکر ہے جہاں مخزنِ علم و یقین، اُمّی لقب کو منصب رسالت سے نوازنا مقصود تھا۔ اس پہاڑ کی بلندی اور ماحول واقعی اس عظمت و نور کے شایانِ شان ہے۔ یہ غار تقریباً 15 فٹ لمبا اور 10 فٹ چوڑا ہے۔ اس میں ایک آدمی مشکل سے کھڑا ہو سکتا ہے۔ اس کے دہانہ کی شکل ۸ کی طرح ہے۔ اس کے دامن میں پھیلاؤ ہے۔ چوٹی نوکیلی ہے۔ چٹیل، بے آب و گیاہ، نہ چرند نہ پرند، بنجر، سنسان، مخروطی شکل عمودی اور غیر عمودی چوٹی پورے عالمِ آب و گل میں منفرد۔ ان پتھروں پر رسولؐ پاک کے نقوشِ پا کے پھول

کھلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں ایک غیر مرئی سی قوت انسان کو متاثر کرتی ہے۔اس کی ہوا خنک ہے اور اس پر ایک کیف اور مہک ہر وقت چھائی رہتی ہے۔تعبد کا لفظ شاید اسی عبادت اور خلوت کے لیے نازل ہوا تھا۔حضورؐ انور نے اس دو ہزار فٹ کی بلندی پر گوشۂ عافیت تلاش کر لیا تھا اور متواتر 5 سال تک ایک مہینہ یہاں گزارتے۔ خدیجہؓ کھانے پینے کا سامان بھیجتی رہتیں۔ واپسی پر طواف کر کے گھر آتے۔اسی غار سے نورِ نبوت کا آفتاب طلوع ہوا۔فلک افلاک کی بلندیوں کو چیر کر رُوح الامین حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور صداقت وحقیقت کے متلاشی پیغمبر آخرالزماںؐ کو اس کے ربّ کا پیغام تلقین فرمایا۔ یہ 12 فروری 610ء کی نیک ساعت تھی۔اس وقت آپ کی عمر مبارک 40 سال چھ ماہ تھی۔(صحیح بخاری)

جبرئیلؑ امین نے لطیف آواز میں فرمایا:

"اقرا باسم ربك الذی۔"

سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰؐ فرماتے:

"ماانا بقاری۔"

تین دفعہ فرشتہ آپؐ کے جسم مبارک کو بھینچتا ہے تو آپؐ پڑھنے لگتے ہیں۔ اللہ اللہ! جوہر قابل جو براہ راست اکتساب چاہتا تھا اُس کے سامنے حقیقت پوری تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہو گئی۔نورِ حقیقت کا اس طرح براہ راست مشاہدہ نبوت ہی کا خاصہ ہے یعنی اس برق جمال کو نبی کا ظرف ہی برداشت کر سکتا ہے۔ پھر بھی مکہ مکرمہ کا برگزیدہ انسان وحی ایزدی سے متاثر ہو کر کانپ اٹھتا ہے۔رنگ فق ہو جاتا ہے۔کاشانۂ نبوت میں آ کر زملونی زملونی کہتے ہوئے کملی اوڑھ کر لیٹ جاتا ہے۔ یہ غیر معمولی نقاہت اس لیے ہوئی کہ نبیؐ خالی الذہن ہے اور فرماتا ہے،لقد خشیت علیٰ نفسی۔ کیوں کہ یہ ایک نیا تجربہ ہے۔ پھر جب اس معراجِ کمال سے رفیقہ حیات خدیجہؓ واقف ہوتی ہے،تو وہ اپنی صوابدید پر برملا شہادت دیتی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں کیوں کہ پندرہ برس کی رفاقت میں حالات ومشاہدات سے بیوی خوب خوب واقف ہو چکی تھی۔

ورقہ بن نوفل،حضرت خدیجۃالکبریٰ کا عم زاد تھا۔عربی اور عبرانی زبان کا عالم،کفر وشرک سے الگ تھلگ رہتا تھا،حنیف مذہب رکھتا تھا۔خدیجہؓ آپ کو ساتھ لے کر چچازاد کے پاس پہنچی۔ وہ

حرا کی تمام روداد سُن کر بلند آواز سے قدسیں فوق قدسیں پکار اٹھتا ہے اور کہتا ہے، یہی وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ آپ اللہ تعالیٰ کے آخری رسولؐ ہیں۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا جب آپ کی قوم آپ کو خارج از بلد کرے گی تو میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ عرصہ بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ورقہ بن نوفل جنتی ہے، اس لیے کہ میں نے عالمِ رویا میں اُسے سفید لباس میں دیکھا ہے۔

وحی ایزدی کی مثال پیش کرنا انسان کے حیطہ امکان میں نہیں ہے۔ اِدھر ادراکِ حقیقت کے بعد نبیؐ کی حیاتِ مقدس نئے سانچوں میں ڈھلنی شروع ہوگئی اور بارگاہ الٰہی سے اقراء باسم کا حکم سُن کو رسالت اسی بے سروسامانی کے عالم میں اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی پر آمادہ ہوگئی۔ باعث تکوین وتخلیق عالم کی بعثت کوئی ہنگامی واقعہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نورِ ہدایت کے سلسلہ کی آخری اور عظیم کڑی ہے۔ کائنات جب اپنے محور پر لاکھوں کروٹیں لے چکی تو نظم وضبط اور تزئین حسن وجمال کے لیے ایک حکمت اعلیٰ ایک نظامِ قدس نافذ کرنے کا اہتمام کیا گیا تاکہ انسان کی فلاح وبہبود اور انسانیت کا ارتقا ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اپنے احوال وظروف اور زمان ومکان کی حدود سے بالاتر ہوتا ہے۔ پھر جب سرکارِ دوعالمؐ نے ایک پسماندہ قوم کو ترکیب نو دے کر دین وحکمت سے نوازا تو اس ملت کا اثر ونفوذ دنیا کے لیے ایک عالمگیر انقلاب بن گیا۔

محمدؐ عربی کی محیر العقول کامیابی وکامرانی کا صحیح اندازہ تو انسانی ذہن وفکر سے بالا ہے لیکن یہ بھی سوچنے کا مقام ہے کہ آنحضرتؐ کی بعثت اور انسانیت کی رہنمائی کے لیے خطۂ عرب کو ہی کیوں منتخب کیا گیا۔ اہل عرب میں ہی کون سی خصوصیت تھی جس کی بنا پر ایک ذہنی انقلاب کی ذمہ داریاں اسے سونپی گئیں۔ پھر یہ تحریک کوئی وقتی یا سطحی نہ تھی بلکہ اس کا اثر دائمی، ابدی اور ہمہ گیر تھا۔ یہ تمام دنیا کی طاغوتی طاقتوں کے خلاف ایک اعلانِ جنگ تھا۔ آخر کوئی دوسرا ملک اس انقلاب کی تربیت گاہ کیوں نہ بن سکا۔ اس برومندی کے لیے وادیِ غیر ذی زرع ہی کو کیوں پسند کیا گیا اور اس سعادت کا اہل قریش ہی کو کیوں سمجھا گیا۔ حالاں کہ عربوں کی جہالت، وحشت اور بربریت مسلمہ تھی۔ اگر اس مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو اہل عرب کے احوال وظروف ثابت کرتے ہیں کہ اہل عرب میں من حیث القوم دوں ہمتی، بے حمیتی، بدعہدی، فریب کاری، جھوٹ اور منافقت نہیں پائی

جاتی تھی بلکہ اس کے برعکس ان میں جبلّی شرافت، حمیت، پختگی، استقلال، مہمان نوازی، ایفائے عہد، انانیت، جرأت و بسالت، خوداعتمادی، احسان و مروّت اور ایثار و قربانی جیسے بہترین اوصاف موجود تھے۔ عرب اس وقت کسی دوسرے ملک کا محکوم تھا نہ ان میں ہوسِ ملک گیری تھی۔ ان پر کئی مرتبہ ایران، حمیری اور رومتہ الکبریٰ کی طاقتوں نے حملے بھی کیے لیکن عربی قبائل سے حملہ آوروں نے ہمیشہ منہ کی کھائی۔ بلاشبہ یہ لوگ مذہبی معاملات سے بھی بے نیاز تھے لیکن ذوقِ بندگی سے بھی بے بہرہ نہ تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے قبیلے کے الگ الگ بُت تراش رکھے تھے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ یہ کسی حالت میں بھی اپنی حرّیت فکر پر حرف نہیں آنے دیتے تھے۔

بلاشبہ عربی قبائل تعلیم کے زیور سے آراستہ نہ تھے۔ ان کے ہاں فلسفہ کی نکتہ آفرینیاں اور موشگافیاں نہ تھیں لیکن یہ لوگ عین فطرتِ اللہ پر کاربند سیدھے سادھے صحرانورد تھے۔ رات کو ستاروں سے رہنمائی کا کام لیتے تو دن کے وقت پہاڑوں کی چوٹیاں انہیں راستہ دکھاتیں۔ یہ جہاں بھی پانی کا قدرتی چشمہ یا کھجوروں کے جھنڈ دیکھتے، وہیں خیمے لگا لیتے۔ تمام ملک میں چند بستیاں ضرور تھیں لیکن عمومی زندگی بادیہ گری ہی پر مشتمل تھی۔ نہ کہیں زمین کا جھگڑا نہ زراندوزی کا خیال۔ جس طرح صحرا میں ان کی نگاہوں کے سامنے کوئی رکاوٹ نہ تھی، اسی طرح ان کے سینے بھی صاف تھے۔ ان کی نگاہوں میں سیر چشمی تھی، ان کے عزائم میں کوہساروں کی بلندی اور وقار تھا۔ ان کی فطرت پر سرتاسر احساس چھایا ہوا تھا۔ نسلی تفاخر اور قبائلی تفوق ان کی گھٹی میں پڑا تھا۔ ان کو اپنی زبانوں کی فصاحت و بلاغت پر اس قدر ناز تھا کہ یہ غیر عرب کو عجمی کہتے تھے۔ قبائلی عصبیت، انتقام اور جذبۂ امتیاز و شرف ان کے دلوں میں رچ بس گیا تھا۔ ان کے خاندانی مجدّ و شرف کے قصے ان کی فیاضیوں اور مسابقت کے واقعات اس قدر طویل اور دلچسپ ہیں کہ ع

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

یہ تھا وہ ملک، جسے کارکنانِ قضاوقدر نے اسلام کا اوّلین گہوارہ بننے کے لیے چُنا تھا اور یہ تھی وہ قوم، جسے پیغمبر آخرالزماں ؐ کی قیادت میں عالمگیر انقلاب کا داعی بنایا گیا۔ قدرت کی طرف سے ریت کے ذرّات میں بجلیاں بھر دی گئیں۔ دیگر مذاہب کے قوانین و دساتیر کا نظم و ضبط بھی تشتت و افتراق کی نذر ہو چکا تھا۔

ایسی فضا اور عالمگیر تاریکیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں یکا یک تابانی کے آثار پیدا ہوئے۔ سرکارِ دوؑ عالم کا ظہور تاریخ عالم کا ایک غیر معمولی بلکہ واحد واقعہ ہے۔ اس عہد آفریں نبی اُمّی نے اپنے فکر و نظر سے انسانیت کے ارتقا کے لیے انسانی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ بلا شبہ یہی وہ میثاق اوّلین تھا جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اخذ اللہ میثاق الاولین

یعنی یہی دعائے ابراہیمؑ تھی جو خانہ کعبہ کی بنیادیں استوار کرتے ہوئے قلب خلیل اللہ سے اٹھی تھی۔ یہی وہ تمنائے کلیمؑ تھی جس کے لیے موسیٰؑ طور پر گوش بر آواز ہوئے تھے۔ اور یہی وہ نوید مسیحاؑ تھی جس کی خوش خبری حضرت عیسیٰؑ نے دی۔ غرض تمام پہلے آنے والے نبی ایک سب سے آخر میں آنے والے مرسلؑ کے متعلق اشارے کرتے رہے۔

از دمِ سیراب آں اُمی لقب
لالہ رُست از ریگ صحرائے عرب

چنانچہ سرورِ دوؑ عالم کے سیرت و کردار ایک کھلی کتاب ہیں۔ بچپن، جوانی، شادی، نبوت، مصائب و آلام، ہجرت، غزوات، عرب کا مشرف بہ اسلام ہونا، فتح مکہ اور وصال سب ایک ہی کتاب کے مختلف ابواب ہیں، جن کا ہر ورق آخری باب کی تمہید و توصیف ہے اور تمام داستانیں ایک ہی گلِ سرسبد کی خوشنما پتیاں ہیں۔

مبداء فیض کی کرم گستری سے بساطِ کائنات پر سحابِ رحمت چھایا اور اس کی گہر پاشیوں سے دامانِ ارض معمور ہو گیا۔ پھر چمنستانوں پر بہارِ جاوداں آ گئی کہ یہی نظام فطرت ہے۔

باب 5

ہادیٔ اکبر، فاران کی چوٹیوں پر آئے تو بلد امین کی وادیوں میں انسانیت، اخلاق وتمدن، تہذیب، عمرانیت و مدنیت کے گلستان میں نزہتیں پیدا ہوگئیں۔ اعمالِ صالح کے چشمے پھوٹے۔ طغیان وسرکشی کے طوفان عدل واحسان کی زندگی بخش موجوں میں تبدیل ہو گئے۔ آسمان نے زمین کو ہدیۂ تبریک پیش کیا کہ تیرے ذرّات کو اس مصلحِ اعظم کی پابوسی کا شرف حاصل ہوا ہے جو عالمِ موجودات میں ارتقائے انسانی کی تکمیل کے لیے آخری کڑی ہے۔ اب انسانی شرف ومجد، علم وعشق، حکمت و دانش کو سربلندیاں نصیب ہوں گی اور نوامیس فطرت حضرت آدمؑ کے بیٹے کا استقبال کریں گے۔

پہلی وحی سے چھے ماہ بعد جب اشتیاق تشویش کا روپ دھارنے لگا، تو فترۃ الوحی کا دور ختم ہوگیا۔ اب دوسری وحی کا نزول ہوا۔

یایھا المدثر۔قم فانذر۔ و ربك فکبر۔ اے چادر اوڑھنے والے، اللہ کی نعمتوں کا ذکر اور اللہ کے پیغام کی تبلیغ کر۔

اس حکم پر آپؐ نے سب سے پہلے اپنے گھرانے کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ کی تحریک پر اُم المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت زید بن حارثؓ اور حضرت صدیق اکبرؓ، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت پر ایمان لائے۔ پھر ان کی تحریک پر حضرت عثمان غنیؓ، حضرت زبیرؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت طلحہؓ، حضرت ارقمؓ، سعدؓ بن وقاص، ابوعبیدہؓ بن جراح اور حضرت صہیبؓ رومی بھی آپ کے غلاموں میں شامل ہو گئے۔ اس طرح تین برس گزر گئے اور مسلمانوں کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی یعنی جن کی فطرت سلیم تھی، وہ سب سے پہلے آپ کے گرویدہ

ہو گئے۔

اقرارِ توحید پر سب سے پہلے نماز فرض ہوئی۔ اس وقت جبرئیلؑ امین خوشبو بھی ساتھ لائے۔ زمین پر پاؤں مارا تو چشمہ جاری ہوا۔ وضو کی تعلیم دی۔ پھر دو دو رکعتیں چار سجدوں کے ساتھ پڑھی گئیں۔ (ابن ہشام)

اہلِ مکّہ سے خطاب

خفیہ تبلیغ کے چار سال کے بعد تبلیغ عام کا حکم ہوا، فاصدع بما تومرو۔ معلّم اخلاق اور اعلیٰ قدروں کے نقیب نے جب فاران کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اہل مکّہ کو پکارا تو تمام امراء، شعراء، رؤسا اور عوام ہمہ تن گوش ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا:

''اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب میں ایک بڑی فوج تم پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار کھڑی ہے؟''

جواب میں سب نے آمنا صدقنا کہا کہ مخبرِ صادق ہمیشہ سچ بولتا آیا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اسلام کی دعوت دی گئی۔ جب داعی حق نے لا الٰہ الا اللہ کہا تو وہی لوگ سنی اَن سنی کرنے لگے۔

سرکارِ دوؐ عالم کی بعثت تمام جہانوں تمام مخلوق بلکہ تمام کائنات اور ہر زمانے کے لیے ہوئی۔ آپؐ کے تشریف لانے سے پیشتر تمام مرسلین، تمام پیغمبر اور نبیؑ، کسی خاص قوم، خاص علاقہ اور خاص زمانے کے لیے معبوث ہوئے تھے۔

رُوح المعانی میں جناب ابو قتادہؓ کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح میں تمام نبیوں سے عہد لیا تھا کہ تمام پیغمبر اور مرسل ایک دوسرے کی تصدیق کریں گے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپ خاتم المرسلین ہیں۔ بلاشبہ آپ مظہر خاتم نبوت ہیں۔ آپ کا لایا ہوا دین خاتم الادیان ہے اور قرآن حکیم خاتم الکتب الٰہیہ ہے۔

قرآن اور قرأت، دونوں لفظ سریانی زبان کے ہیں۔ قرآن پاک میں کل 6219 آیات ہیں جو بتدریج نازل ہوئیں کیوں کہ عقلی اور طبعی اعتبار سے یہی بہترین طریقہ ہے۔ اسی

لیے قرآن پاک کا نام فرقان بھی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا منصب صرف شارح کا نہیں بلکہ شارع کا بھی ہے۔ آپ نبی اُمی تھے لیکن آپ کے کلام میں فصاحت و بلاغت، شوکت و جزالت، جدّت اسلوب، سلاست، روانی بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپؐ نے مکمل اور عالمگیر ہدایات نوع انسانی کے لیے تجویز فرمائیں۔ آپ بہ یک وقت اللہ تعالٰی کے آخری پیغمبر، معلم، رہنما، مفسر قرآن، شارع قانون، ہادی، مربی، قاضی، حاکم اور سپہ سالار تھے۔ آپ کی تعلیم سے نیا نظامِ تمدن وتہذیب رائج ہوا۔ ایک اسلامی ریاست قائم ہوئی۔ آپ نے عقائد وتصورات سے لے کر عملی زندگی کے تمام گوشوں تک ایک عالمگیر انقلاب پیدا کر دیا۔ آپ کی زندگی مسجد سے لے کر کارزار، خاندان، عدالت، بازار، ایوانِ حکومت، بین الاقوامی سیاست اور قوم کی اجتماعی زندگی تک پھیلی ہوئی ہے۔ آپ اسلامی ریاست کے سربراہ، فرمانروا اور سپہ سالار بھی تھے۔ آپؐ نے قانونی فرامین، صلح و جنگ کے حالات، معاشرت اور معیشت کے اصول وضع فرمائے اور ان پر عملاً کام کر کے امّت کے لیے صراطِ مستقیم کی نشان دہی فرمائی۔

حضرت جابرؓ کی روایت کے مطابق، حضورؐ نے فرمایا، سب سے پہلے میرا نور (روح) پیدا کیا گیا۔ اس وقت نہ زمین و آسمان، نہ جنت دوزخ، نہ فرشتے، نہ لوح وقلم، نہ انسان، نہ جن و بشر، سوائے ذات کبریا کے کچھ بھی نہ تھا۔ مجھے تمام کائنات کے لیے معبوث فرمایا گیا۔ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئیں جو کسی بھی مرسل کو نہیں عنایت ہوئیں۔

1۔ رعب دبدبہ۔ 2۔ جعلت لی الارض مسجداً۔ میرے لیے تمام زمین مسجد بنا دی گئی۔ 3۔ مالِ غنیمت حلال کیا گیا۔ 4۔ منصب شفاعت عطا ہوا۔ 5۔ تمام مخلوقات کے لیے پیغمبری عطا فرمائی گئی۔

آپؐ نے فرمایا کہ کوئی نبیؑ ایسا نہیں جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ میں نے بھی حلیمہ سعدیہ کی چراگاہ میں بکریوں کے ریوڑ چرائے۔ میں خالص عرب ہوں۔ میں نے بنی سعد کے قبیلے کا دودھ نوش کیا ہے، میری زبان حضرت اسمٰعیلؑ کی فصیح عربی ہے۔ (ابن اسحاق)

باب 6

مکّی زندگی

بعثت کا چوتھا سال تھا۔ اعلانِ توحید پر قریش کی طرف سے تابڑتوڑ حملے شروع ہو گئے۔ حتیٰ کہ کفار نے سرورِ کائنات ﷺ کی ذاتِ گرامی کو بھی مجروح کرنے کی کوشش کی۔ حارثؓ، خانہ کعبہ میں دُرِیتیم کی امداد کرتے ہوئے زخمی ہوئے اور شہید ہو گئے، لیکن امت محمدؐیہ کی سرخروئی کے لیے حارث کا خون ہی بنیاد بن گیا۔ حارثؓ، حضرت خدیجۃؓ الکبریٰ کے پہلے خاوند کی اولاد میں سے تھے۔

ادھر نبیؐ اُمی کے کفش بردار بھی کفار کی چیرہ دستیوں کا شکار ہوتے رہے۔ قریش، صحابہ کرام کی ٹانگوں میں رسیاں ڈال کر میدانوں میں گرم ریت پر گھسیٹتے۔ حضرت بلالؓ کو تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر سینے پر گرم چٹانیں رکھی جاتیں۔ ابوجہل اپنی کنیز کو اس قدر زدوکوب کرتا کہ سمیعہؓ کی آنکھ ضائع ہو گئی۔ پھر سینہ پر نیزہ مارا تو شہید ہو گئی جو اسلام کی پہلی شہید ہیں۔ مسلمانوں پر زمین اپنی فراخیوں کے باوجود تنگ ہوتی رہی۔

محبوبِؐ خدا کی جبیں اقدس کعبہ میں سجدہ ریز ہے کہ اونٹ کی بچہ دانی سرِ اقدس پر پھینک دی جاتی۔ عقبہ نے گردن میں کپڑا ڈال کر اس قدر مروڑا کہ آنحضورؐ کا دم گھٹنے لگا جس کی وجہ سے آپ کے ناک اور منہ خون آلود ہو گئے۔ اغیار کے لیے پھول چننے والے محسن کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے، پڑوسی قبیح شرارت سے گھر میں گندگی پھینک دیتے۔ لیکن سرکارِ دوؐ عالم کی فطرت رؤف ورحیم ہے۔ پیشانی پر شکن تک نہیں آتی بلکہ پائے استقامت نئے ولولوں کے ساتھ راہِ حق پر گامزن ہوتی ہے۔ عربوں میں آپؐ واجب القتل اس لیے تھے کہ آپؐ نے مکہ کے اساسی قانون کی مخالفت کی تھی۔

اس قصۂ آویزش بولہبی و مصطفوی کی جڑ صرف اعلانِ توحید تھی۔ اس معرکۂ حق و باطل کی وجہ صرف کلمۂ حق تھا۔ جب عدل و انصاف اور ایمان و ایقان کی آواز بلند ہوئی تو ابلیس کے جنود و عساکر یورش کرتے ہوئے حق کے مقابل صف آراء ہو گئے۔ خیر کے مقابلے میں شر کی ستیزہ کاریاں بروئے کار آنے لگیں۔ سرکشی و تمرّد کی تمام قوتیں متحد ہو گئیں یعنی یہ تمام قہرمانی بجلیاں اس لیے مجتمع ہوئیں کہ قافلۂ حق و صداقت کو ایک ہی لپک میں خاک کا ڈھیر بنا دیں۔ طنز و استہزاء کے تیر برسائے گئے۔ صریر خامۂ قدرت کو شاعر و ساحر کہا گیا۔ لیکن یہ تمام ہجوم مخاصمت اور انبوہ مخالفت، رسالت کے پائے استقلال میں لغزش نہ پیدا کر سکے۔ ایذا رسانیوں اور صعوبتوں کی انتہا کر دی گئی۔ تکلیف دہی کے لیے ایسے ایسے انداز ایجاد کیے گئے جن پر کائنات بھی حیران و ششدر رہ گئی۔ صحابہؓ کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا جاتا۔ گرم بالو جسم پر ڈالی جاتی۔ لوہے کی گرم سلاخوں سے جسم داغ دیئے جاتے مگر بلاکشانِ محبت نے اُف تک نہ کی۔ اس قساوت و سفا کی کی داستان اس قدر طویل ہے کہ لکھتے لکھتے قلم لرز جاتا ہے۔

لیکن صحابہؓ کے عزم و ثبات میں کسی طرح کی کوئی کمی نہ آ سکی بلکہ یہ مصائب و آلام، ان نفوسِ قدسیہ کے دلوں میں اسلام اور سرورِ عالمؐ کی محبت میں بالیدگی پیدا کرتے رہے کیوں کہ تربیت نبوی نے صحابہ کرام کی قلبی ماہیت کر دی تھی۔ ع

طرح نو ی افگند اندر ضمیر کائنات

حضور اکرمؐ کی ذاتِ اقدس بھی ایذا رسانیوں کا نشانہ بنی۔ لیکن بنو ہاشم کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے قریش زیر زمین اپنی مخالفانہ سرگرمیوں کو جاری رکھتے اور یہی وہ منہاج و مقام رسالت ہے جس کو قرآن حکیم، الحکمت کے اہم لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔

ہجرتِ حبشہ اولیٰ

نبوت 5 ھ: جب مسلمانوں کے لیے مکّہ مکرمہ کی زمین اپنی فراخیوں کے باوجود تنگ ہو گئی۔ زندگی دگرگوں ہو کر رہ گئی تو سرکارِ دو عالمؐ نے سوچ سمجھ کر صحابہؓ کو ہجرتِ حبشہ کی ہدایت فرمائی تا کہ قریش کے مظالم سے محفوظ رہ سکیں۔ چنانچہ 16 مسلمانوں کی مختصر جماعت معہ سامانِ زندگی حبشہ روانہ

ہوگئی۔ان میں حضور اکرمؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ اور حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے۔نجاشی والیٔ حبشہ، مہاجرین کے ساتھ بڑی مروّت سے پیش آیا۔کفارِ مکّہ کو علم ہوا تو وہ بھی مسلمانوں کے تعاقب میں ایک وفد کی صورت حبشہ جا پہنچے۔وہاں پادریوں اور درباریوں کو تحائف وغیرہ دے کر کہا:

''یہ چند ہمارے غلام چوری چھپے آپ کے ہاں آ گئے ہیں۔یہ لوگ ہمارے بتوں اور نصرانیت کے خلاف ہیں۔بہتر یہ ہے کہ بادشاہ سے کہہ کر ان کو ہمارے حوالے کر دیا جائے۔''

جب شاہِ حبشہ سے کہا گیا تو اُس کی انصاف پسندی آڑے آئی۔اس نے مہاجرین کو دربار میں بلایا اور اس اتہام کی صورتِ حال دریافت کی۔حضرت جعفرؓ نے، جو فصیح البیان تھے، مسلمانوں کی طرف سے جواب دیا:

''ہم ان کے غلام نہیں نہ ہم نے کوئی خون کیا ہے۔البتہ ہماری قوم میں ایک رسولؐ پیدا ہوا ہے۔اس کی تعلیم نے ہمیشہ خدائے واحد کی عبادت کرنا سکھایا، چوری، شراب اور بت پرستی سے منع فرمایا۔نماز، روزہ کا حکم دیا۔ہمسایہ کا حق اور انسانوں سے حسن سلوک کا سبق دیا۔''

بادشاہ یہ تقریر سن کر محظوظ ہوا۔اُس نے کہا:

''تمہارے نبیؐ پر جو کلام نازل ہوا ہے، وہ سناؤ۔''

حضرت جعفرؓ نے بڑی خوش الحانی کے ساتھ سورۂ مریم کی چند آیات سنائیں تو نجاشی پر رقت طاری ہوگئی۔اُس نے کفار مکّہ کو جواب دی:

''جو مسلمان میری پناہ میں ہیں، واپس نہیں ہو سکتے۔''

دوسرے دن عمرو بن العاص نے پھر دربار میں کہا:

''یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا نہیں تسلیم کرتے۔''

حضرت جعفرؓ دوبارہ دربار میں طلب کیے گئے تو انہوں نے کہا:

''جناب مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسولؑ اور اُس کے بندے ہیں۔''

نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا:

''بلاشبہ یہ بات صحیح ہے، تم نے سچ کہا ہے۔'' (اس میں تنکا برابر بات کم ہے نہ زیادہ)۔

اور فیصلہ دیا کہ مہاجرین ہماری پناہ میں رہیں گے۔قریش ناکام واپس مکّہ آ گئے۔

ہجرتِ حبشہ ثانیہ

مکہ میں قحط سالی اور قریش کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے نبوت کے چھٹے سال 695ء میں مسلمانوں نے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

ترغیب و تحریص

محبت کی ابتدا خوش گوار سہی مگر انتہا نہایت سنگین، دلدوز اور خونچکاں ہوتی ہے۔ قریش کی طرف سے جب آلام و مصائب کے تمام ترکش خالی ہو گئے تو ترغیب و تحریص کا حربہ سامنے لایا گیا۔ کملی والے کو سیم و زر اور اقتدار کی پیشکش کی گئی اور آقائے نامدار کو دعوت عزیمت و ارشاد سے دستبردار ہونے سے مجبور کیا جاتا ہے لیکن نبیؐ ان تمام آلائشوں اور اغراض سے بلند و بالا ہے۔ عتبہ بن ربیعہ، ابوسفیان، شیبہ وغیرہ ایک وفد کی صورت میں اکٹھے ہو کر جناب ابوطالب سے کہتے ہیں:

''اپنے بھتیجے محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہو کہ ہمارے معبودوں کی تکذیب نہ کرے۔''

ابوطالب نے حضورؐ سے کہا: ''جانِ پدر! مجھ پر اس قدر بوجھ نہ ڈالو کہ میرے کندھے اٹھا نہ سکیں۔'' لیکن چچا کے سامنے الوالعزم پیغمبرؐ کی زبانِ مبارک سے جواب نکلتا ہے، یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں تو میں اپنے فرضِ منصبی سے باز نہیں رہ سکتا۔ ایمان و ایقان اور عزیمت و استقامت کی یہ دل نواز صدا سُن کر چچا دم بخود رہ گیا اور کہا:

''جانِ عم! جو چاہو کرو، میری ہمدردیاں ہر طرح تمہارے ساتھ ہوں گی۔''

قریش کا ایک بڑا سردار عتبہ، ابوسفیان کا خُسر، حضور سرورِ کائناتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مخاطب ہو کر کہا: ''اگر آپ چاہیں تو ہم مکہ مکرمہ کی حکومت، تخت و تاج آپ کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اگر کسی بڑے گھرانے میں شادی کی خواہش ہو تو ہم ہر طرح تیار ہیں۔ لیکن آپ اپنے کام سے کام رکھیں اور اس نئے مذہب کی تبلیغ نہ کریں۔''

اس اقتدار کی پیشکش پر حضور آقائے نامدار، وحی ربانی کی زبان میں قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الھیہ الاھکم اللہ تلاوت فرمائی تو عتبہ کا رنگ فق ہو گیا۔ اُس نے جب دیکھا سرورِ عالمؐ ان دنیاوی آلائشوں سے پاک اور منزہ ہیں، طلبِ جاہ و منصب منشاء و مقصود نہیں تو خاموشی

سے واپس چلا گیا اور قریش سے کہا:

''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) آپ کے خاندان میں پیدا ہوا۔ یہاں اُس کی پاکیزہ جوانی گزری۔ وہ امین وصادق ہے۔ اس وقت جب وہ ایک پیغامِ ربانی کا داعی بنا ہے، تو تم اسے جادوگر، کاہن اور شاعر کہتے ہو۔ وہ دیوانہ نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ میرے خیال میں اللہ تعالیٰ کا آخری حکم آرہا ہے۔'' (ابن ہشام)

حضرت ابوبکرؓ ہجرتِ حبشہ میں شامل نہیں تھے۔ اس لیے کہ وہ سرکارِ دوعالم کو قریش کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ قریش نے جب دیکھا کہ اب ابوبکرؓ ہی آنحضورؐ کے سب سے بڑے فداکار اور مسلمانوں کے ہمدرد ہیں تو انہوں نے کہا کہ اگر ابوبکرؓ، مکہ سے ہجرت نہ کر گئے تو حضور اکرمؐ کو شہید کر دیا جائے گا۔ یہ سُن کر حضورؐ نے مجبوراً ابوبکرؓ کو بھی ہجرت کی اجازت دے دی۔

اس اجازت کے تحت ابوبکرؓ، جنوبی عرب کی طرف چلے جا رہے تھے کہ رفاعی قبیلہ کے رئیس نے آپ کو روکا اور مکّہ واپس لے آئے۔ ساتھ ہی اعلان کر دیا کہ ابوبکرؓ آج سے میرے جوار میں ہیں اور قریش سے کہا:

''تم ایک نیک انسان کو ہجرت پر مجبور کر رہے ہو جو غربا اور مساکین کی امداد کرتا ہے۔''

رفاعی قبیلہ چوں کہ بڑا جنگجو تھا، قریش نے اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا۔

قرآن کریم کی قوتِ تسخیر

ابوسفیان، بوجہل، اخنس اور ابن وہب علیحدہ علیحدہ چھپ کر قرآنِ پاک کی تلاوت سنتے تھے۔ سرورِ عالمؐ کی عادتِ مبارک تھی کہ رات گئے کعبہ کی دیوارِ مستجاب کے پاس قرآن کی تلاوت فرماتے۔ یہ لوگ قسم اٹھا کر کہتے کہ اب نہیں سنیں گے لیکن پھر رات کو اس دل نواز آواز کے شیدائی بن جاتے لیکن ایمان .... یہ نصیبوں کی بات ہے۔

حضرت ابوبکرؓ بہت خوش الحان تھے۔ قرآن پاک کی آیات جو مسجع اور مقفیٰ ہیں، بڑے دلنشین انداز کے ساتھ تلاوت کرتے تو لوگ مکان کے عقب میں کھڑے ہو کر سنتے کیوں کہ عرب میں شتر، شمشیر، شعر اور خیمہ سب سے بڑی دولت سمجھا جاتا تھا۔

باب 7

سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کا قبولِ اسلام (6 نبوی)

حضرت حمزہؓ، حضور اکرمؐ کے چچا بھی تھے اور رضائی بھائی بھی۔ دونوں نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ ادھر ہاشمیوں کا دبدبہ اور رعب امیر حمزہؓ کا مرہون منت تھا۔ آپ کی طبیعت سپاہیانہ تھی۔ صید افگنی میں دلچسپی تھی۔ صبح تیر کمان لے کر گھر سے نکلتے اور شام کو واپس آتے۔ حضور اکرمؐ کے دعوئ رسالت کے متعلق بے خبر تو نہ تھے لیکن کبھی اسلام کے متعلق سوچا بھی نہ تھا۔ ان کے نزدیک اجداد کا عقیدہ ہی محترم تھا۔ حضورؐ سے زیادہ راہ و رسم بھی نہیں تھی۔ کہیں راستے میں ملاقات ہوگئی تو سلام دعا ہوگئی، ورنہ خیر۔

ایک دن ابوجہل نے حضورِ اکرمؐ پر ہاتھ اٹھایا۔ آپؐ کے فرق مبارک پر زخم ہو گیا اور خون بہنے لگا لیکن آپ خاموشی سے گھر تشریف لے گئے۔ شام جب حمزہؓ گھر آئے تو اُن کی کنیز نے تمام ماجرا سنایا۔ یہ اذیت ناک خبر سُن کر خون جوش میں آیا۔ ادھر ابوجہل حرم میں رؤسائے شہر کے ساتھ بیٹھا مصروف یاوہ گوئی تھا کہ آپ وہاں پہنچ گئے۔ ابوجہل کو للکار کر کہا:

''میں آج مسلمان ہو گیا ہوں۔ اُٹھ اور میرے ہاتھ دیکھ۔''

ابوجہل موقع غنیمت جان کر خاموش ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ کے اعلان کے بعد مکّہ کے قریش محتاط ہو گئے۔ اب وہ حضورؐ کی شان میں گستاخی نہیں کرتے تھے اور دیگر مسلمان خادمانِ رسولؐ بھی کچھ محفوظ ہو گئے۔ آپ جب مشرف بہ اسلام ہوئے تو مسلمانوں کی تعداد 40 سے تجاوز کر گئی۔

فاروقِ اعظم حضرت عمرؓ بن خطاب کا قبولِ اسلام

نام عمر، کنیت ابو حفص، لقب فاروق۔ 582ء میں مکّہ میں پیدا ہوئے۔ باپ کا نام

خطاب تھا جو شہر مکہ کے معزز اور خود مختار حاکم تھے یعنی مکّہ کی وزارتِ خارجہ ان کے سپرد تھی۔ بہادر اور زبان آور تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت پر رسولؐ اللہ سے مل جاتا ہے۔ 609ء میں اسلام کا آفتاب طلوع ہوا تو عمر بھی دشمنانِ اسلام کے انبوہ میں شامل تھے۔ ابو جہل کے ہمشیر زاد تھے۔ قریباً 27 برس کی عمر تھی۔ جوانی، شہ زوری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ غلط فکری کے باعث سرکارِ دوؐ عالم سے دشمنی عناد کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ حضورِ اکرمؐ کا نامِ مبارک بھی سننا گوارا نہیں تھا۔ گھر کی ایک کنیز لبیبہؓ جو مسلمان ہو چکی تھی، اُسے اس قدر مارتے کہ وہ بے چاری بے ہوش ہو جاتی۔ آخر حضرت ابو بکرؓ نے خرید کر آزاد کر دیا۔ اسی طرح کوئی غریب مسلمان ہتھے چڑھ جاتا تو اُسے بھی بُری طرح پیٹتے۔ طبیعت سخت گیر تھی۔ دشمنی کا جوش اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ ایک دن شمشیر بکف دار ارقمؓ کی طرف چل دیئے (جو ان دنوں مرکز تبلیغ دین تھا اور رسول اکرمؐ بھی عموماً یہیں تشریف فرما رہتے) کہ بانیٔ اسلام کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ راستے میں جناب نعیمؓ جو خود مسلمان ہو چکے تھے اور جناب عمرؓ کے قریبی رشتہ دار بھی تھے، مل گئے۔ انہوں نے شمشیر برہنہ اور تیور دیکھ کر پوچھا:

''عمر کیا ارادہ ہے، کدھر جا رہے ہو؟''

جواب میں کہا:

''آج کملیؐ والے کا خاتمہ کرنے جا رہا ہوں کہ روز روز کا یہ فساد ختم ہو جائے۔''

جناب نعیمؓ نے کہا:

''پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری ہمشیرہ اور بہنوئی اسلام قبول کر چکے ہیں۔''

جناب عمرؓ یہ سن کر آگ بگولا ہو گئے۔ اسی طرح بھرے ہوئے سیدھے ہمشیرہ کے گھر پہنچے۔ دروازہ بند تھا۔ اندر جناب خبابؓ تلاوتِ قرآن میں مصروف تھے۔ آپ کی ہمشیرہ اور بہنوئی سن رہے تھے۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو خبابؓ چھپ گئے اور قرآنی آیات سورۂ طٰہٰ کے اجزا بھی چھپا دیئے گئے۔ اس خاموشی پر بہنوئی کو مارنا شروع کر دیا۔ ہمشیرہ، خاوند کو بچانے کے لیے آگے بڑھی تو وہ بھی زخمی ہو گئی۔ تنگ آ کر فاطمہؓ نے جواب دیا:

''عمرؓ جو چاہو کر لو۔ ہم اب اسلام قبول کر چکے ہیں۔ حضورِ اکرمؐ کا دامن نہیں چھوڑ سکتے۔''

جب حقیقی ہمشیرہ کا سنجیدہ جواب سنا اور خون نظر آیا تو دل پسیجا، جوش ٹھنڈا پڑ گیا یعنی پھول

کی پتی سے ہیرے کا جگر کٹ گیا۔ ہمشیرہ سے کہا:

''اچھا سناؤ، تم کیا پڑھ رہے تھے؟''

فاطمہؓ نے جب رنگ بدلا دیکھا تو کہا: ''طہارت کرلو۔'' اور آیات کے اجزا سامنے لا کر رکھ دیئے۔ عمرؓ ایک مثالی فرد اور اصیل عرب تھے، تمام صفات سے متصف تھے۔ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یسبح للہ ما فی السمٰوت والارض سے آمنو باللہ و رسولہ تک پہنچے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے کلامِ پاک کی برکت، شکوہ الفاظ اور جلال خداوندی سے دل لرز گیا۔ انسانیت کے نیرِ تاباں...... اور ماہِ رخشاں کا رُخ انور پہچاننے کے لیے زاویہ نگاہ کی ضرورت تھی۔ جب نظریہ میں تبدیلی پیدا ہوئی تو اسی حالت میں دارارقمؓ کی طرف چل دیئے۔ جب وہاں پہنچے تو مسلمان، عمرؓ کو شمشیر بہ دست دیکھ کر گھبرائے۔ حضرت حمزہؓ نے فرمایا: ''آنے دو۔''

دستک پر دروازہ کھولا گیا تو خود سرورِ دو عالم آگے بڑھے اور دامن پکڑ کر فرمایا:

''عمرؓ کیا ارادہ ہے؟''

عمرؓ کی ندامت سے آنکھیں جھک گئیں، عرض کیا:

''حضورؐ، مسلمان ہونے کے لیے آیا ہوں۔''

حضور پاکؐ نے کلمہ طیبہ کی تلقین فرمائی۔ سرکارِ دو عالم کا چہرۂ مبارک آفتاب کی طرح چمک اٹھا۔ مسلمانوں نے خوشی میں تکبیر کا نعرہ بلند کیا، مکّہ مکرمہ کے پہاڑ جس کی صدائے بازگشت سے گونج اٹھے۔ اسلام کا بول بالا ہوا۔ حضرت عمرؓ کا جوش جو اسلام کی تخریب کے لیے وقف تھا، اب تعمیر دین میں صرف ہونے لگا۔ حضرت حمزہؓ کے اسلام پر کفارِ مکہ ابھی مشوش تھے کہ حضرت فاروق اعظمؓ بھی اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے۔ یہ خبر قریش پر بجلی بن کر گری۔ اور مسلمان کعبہ میں نمازیں ادا کرنے لگے۔ سرکارِ دو عالم کی دعا کے مصداق حضرت عمرؓ اور حمزہؓ کا اسلام دین کی تقویت کا باعث ہوا۔

شعب ابوطالب، 7 نبوی

قریش مکّہ کے لیے حضرت حمزہؓ اور عمر فاروقؓ کا اسلام میں داخل ہوجانا قابل برداشت ہوگیا تو انہوں نے من حیث الجماعت فیصلہ کیا کہ بنو ہاشم سے قطع تعلق کرلیا جائے۔ ہاشمیوں سے لین

دین اور تجارتی تعلقات نہ رکھے جائیں۔ مکمل معاشی مقاطعہ کیا جائے۔ تا آں کہ ہاشمی خود سرکارِ دوٗ عالم کو ہمارے حوالے نہ کر دیں یا (نعوذ باللہ) قتل نہ کر دیں۔ عرب معاشرہ میں طرد کی یہ سزا تھی کہ اپنے قبیلہ سے الگ کر دیا جاتا۔ یہ متفقہ معاہدہ آستان کعبہ پر لٹکا دیا گیا۔ جناب ابو طالب سرد گرم چشیدہ تھے۔ وہ خطرہ بھانپ کر اپنے خاندان سمیت پہاڑی درّے میں محصور ہو بیٹھے تا کہ دشمن کے حملہ سے خاندان محفوظ رہے۔ محاصرہ کی شدت اور عدم تعاون نے محصورین کے لیے قیامت برپا کر دی۔ حضور سرورِ دوٗ عالم کے حلقہ بگوش صعوبتیں برداشت کرتے لیکن اپنی خودی کو مجروح نہیں ہونے دیتے۔ آب و دانہ بند، ننھے بچے بھوک پیاس کی شدت سے بلبلاتے ہیں، ماؤں کی چھاتیوں کا دودھ خشک ہو چکا ہے۔ صحابہؓ درختوں کے پتے اور سوکھے چمڑے اُبال کر کھاتے ہیں لیکن منہ سے اُف تک نہیں کرتے بلکہ حضور سرورِ کائنات کے محاسن اخلاق و اخلاص سے مزید گرویدہ ہوتے گئے۔ شعب ایک تربیتی کیمپ ثابت ہوا۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی ربانی سے خبر پا کر کفار سے کہا:

''قضا و قدر کے کام دیکھو، آستانِ کعبہ پر لٹکے ہوئے معاہدہ کو دیمک چاٹ گئی ہے۔''

قریش نے دیکھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسولِ اکرمؐ کے اسمائے گرامی محفوظ تھے۔ ادھر ہشام عامری جو بنو ہاشم کا قرابت دار تھا، ایک دن اُسے رحم آیا اور وہ دوسرے رشتہ داروں کے پاس گیا، انہیں شرم دلائی کہ تمہارے عزیز محصور ہیں، فاقوں سے اُن کی بُری حالت ہے۔ اس طعن و طنز پر زبیر معطم بن عدی قیس وغیرہ حرم میں پہنچے، درِ حرم کا معاہدہ چاک کر دیا اور ہتھیار لگا کر شعب میں گئے۔ محصورین سے کہا:

''تم اپنے گھر چلو۔ جو مزاحم ہوگا، ہم دیکھ لیں گے۔''

آخر تین سال کے کرب و انتظار کے بعد محاصرہ اٹھایا گیا اور مقاطعے کا خاتمہ ہوا۔

(ابن سعد)

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو صاحبزادیاں، ابولہب کے بیٹوں سے بیاہی ہوئی تھیں لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ ابولہب نے اپنے لڑکوں سے کہہ کر آنحضورؐ کی معصوم بچیوں کو طلاق دلوا دی کہ عرب کے شریف گھرانوں میں طلاق بہت معیوب سمجھی جاتی ہے۔

اقتربت الساعته و انشق القمر (سورۃ القمر)۔ 8 نبوی میں شق القمر کا معجزہ ظہور پذیر ہوا۔ قمری 14 تاریخ تھی۔ ابھی چاند طلوع ہوا ہی تھا کہ ایک حصہ پہاڑی کی طرف نظر آیا اور دوسرا دوسری طرف۔ یہ کیفیت ایک لحظہ رہی۔ اس کے بعد دونوں ٹکڑے باہم اکٹھے ہو گئے۔ مشرکین کو حضور کی صداقت کے ثبوت میں یہ معجزہ دکھایا گیا تھا لیکن ایمان کی دولت سے بہرہ ور نہ ہو سکے۔

عام الحزن

حضور سرورِ کائنات کے مصائب کا ذکر اس قدر اذیت ناک ہے کہ لکھتے لکھتے قلم لرز لرز جاتا ہے۔ نبوت کے دس سال پورے ہو چکے تھے۔ شعب سے واپس آئے ابھی چند دن گزرے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محسن اور محبوب چچا ابو طالب، جن کی عمر 80 سال تک پہنچ چکی تھی، چند دن بیمار رہ کر کوچ کر گئے۔ آپ کی موت نے بنو ہاشم کو یتیم بنا دیا اور آپ تنہا رہ گئے۔ ابو طالب کی وفات پر ابولہب قبیلہ کا سردار مقرر ہوا تو اُس نے سب سے پہلے آپ کو طرد کیا کیوں کہ مطرد کا خون ہر قبیلہ کے لیے مباح ہوتا ہے۔ طائفہ قریش دس قبیلوں پر مشتمل تھا۔ اگر آپ کو (نعوذ باللہ) شہید کر دیا جاتا تو بنو ہاشم کسی سے خون بہا طلب نہیں کر سکتے تھے۔ خود ہاشمی قبیلہ کے افراد نے آپ کو دو مرتبہ شہید کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے منصوبے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

ادھر ابو طالب کا ابھی کفن بھی میلا نہ ہوا تھا کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی محبت و مروّت کے غیر فانی نقوش باقی چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ سرپرست اور ایک عزیز رفیق حیات کی موت حضور سرورِ کائنات کے دل پر بہت شاق گزری۔ آپؐ نے ان کی اوڑھنی کا کفن پہنا کر جنت المعلّٰی میں دفن فرمایا۔ عزیزوں اور محسنوں کی موت سے دیر تک آبدیدہ رہے۔ بخاری اور مسلم کی روایت کے مطابق، حضورِ اکرمؐ نے آخری وقت پر ابو طالب کو اقرارِ ایمان کی تلقین فرمائی۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرحوم نے کلمہ پڑھا اور حضرت عباسؓ نے کان لگا کر سُنا۔

باب 8

اہل طائف کا ظلمِ عظیم

اعلانیہ تبلیغ کا فرض ادا کرتے ہوئے سرچشمۂ رحمت ایک دن طائف پہنچے۔ یہ مقام مکہ مکرمہ سے پچاس کوس دُور ہے۔ یہ علاقہ بہت شاداب وزرخیز ہے۔ سطح سمندر سے دو ہزار فٹ بلند ہے لیکن آج تک اس بستی کی ویرانی بُری طرح محسوس ہوتی ہے۔ باغات، مکانات، محلے بہت شاندار ہیں لیکن ان میں کوئی متنفس نظر نہیں آتا۔ ''منزلِ وحی'' کا مصنف محمد حسین ہیکلی مصری اور مولانا مودودی لکھتے ہیں یہ شاید رسولؐ اللہ کی دعوتِ اسلام ٹھکرانے اور آپ کو اذیت پہنچانے کی پھٹکار ہو۔

حضورؐ جب طائف پہنچے تو زیدؓ بن حارث بھی ہمراہ تھے۔ اس جگہ عمیر کا خاندان ممتاز تھا۔ حضورؐ اس کے پاس پہنچے۔ ایک خستہ حال مسافر کا کسی امیر کے گھر جانا ہی گستاخی تھی۔ اُس نے حضورِ اکرمؐ کی تبلیغ کو امارت واقتدار کے زعم میں بُری طرح ٹھکرا دیا۔ تبلیغ کا الٹا اثر ہوا تو حضورؐ اور زیدؓ پر محلّہ کے اوباشوں نے حملہ کر دیا۔ پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ اس سفاکانہ سنگ باری کی اذیت سے حضورؐ اکرم لہولہان ہو کر زمین پر گر پڑے۔ آخر زخموں سے چُور چُور اور نڈھال ہو کر لڑکھڑاتے ہوئے شہر سے باہر نکلے اور ایک باغ میں پناہ لی۔ باغ کے رئیس عتبہ بن ربیعہ نے ازراہِ ترحم آپؐ کی خدمت اقدس میں اپنے ملازم عدا اس کے ہاتھ انگور کا خوشہ بھیجا جو آپؐ نے قبول فرما لیا۔ زیدؓ بھی حضور اکرم کو بچاتے ہوئے زخمی ہو گئے تھے۔

مشرکین کی دردناک اذیتوں اور پتھراؤ سے جسم زخموں سے نڈھال تھا۔ نعلین مبارک زخمی پاؤں کے خون سے چپک گئی تھی۔ اس وقت آپ نے بڑے رقت انگیز لہجہ میں دعا فرمائی۔ خدا کے

محبوب رسولؐ رحمت عالم کی یہ حالت دیکھ کر ملک الجبال حاضر ہوئے اور بارگاہِ رسالت میں عرض کی:

''اگر حکم ہو تو طائف کے پہاڑ الٹ دیئے جائیں۔''

مگر ممدوح کائناتؐ نے ارشاد فرمایا:

''میں دنیا میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ خدائے بزرگ و برتر ان لوگوں کو ہدایت بھی دے سکتے ہیں۔''

سرورِ عالمؐ کا یہ جواب سُن کر پتھر بھی پانی پانی ہو گئے۔ زیدؓ، حضور اکرمؐ کو سہارا دے کر نخلہ کے مقام پر لے آئے۔ یہ جگہ نواحِ حرا میں واقع ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ بطن نخلہ کے مقام پر آنحضورؐ نمازِ عشا کے بعد قرآنِ پاک کی تلاوت فرما رہے تھے کہ چند جن آپؐ کی پُرسوز دلکش آواز اور مؤثر مضامین سن کر متاثر ہوئے اور ایمان لے آئے۔ (سورۃ جن)

اس وقت حضرت سودہؓ کے عزیز مطعم نے آپؐ کو پناہ دی تو چند روز قیام کے بعد آپ مکّہ مکرمہ تشریف لے آئے۔

دراصل جب مکّہ میں اسلام پنپ نہ سکا تو حضور اکرمؐ، طائف سے پوچھنے گئے تھے کہ تو بھی اس امانت کو اٹھا سکے گا کہ نہیں لیکن طائف، مکّہ سے بھی زیادہ پتھر دل نکلا۔ البتہ یثرب نے دُور سے آواز دی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں مدینۃ النبیؐ بننے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔

قبائل میں تبلیغ

حضور اکرمؐ کی تبلیغ سے انفرادی طور پر لوگ دین حق کے پرستار ہوتے جا رہے تھے لیکن اجتماعی طور پر ابھی تک کوئی قبیلہ اسلام کا حلقہ بگوش نہیں ہوا تھا۔ حضور سرورِ عالمؐ عموماً حج کے موقع پر مختلف قبائل میں تشریف لے جاتے اور دین کی تبلیغ فرماتے۔ رؤسا عموماً ٹال دیتے اور اپنے آبائی دین کو چھوڑنے سے معذرت کر دیتے۔ آخر ایک دن حضورؐ مقامِ عقبہ پر پہنچے تو یہ بنوخزرج کے قبیلہ کے لوگ تھے اور یثرب کے رہنے والے تھے۔ حضورؐ کی دعوت ان نیک دل لوگوں نے قبول کر لی۔ قرآن پاک کی چند آیات رافع بن مالک کو عطا کی گئیں۔ تبلیغ کا وعدہ کر کے یہ لوگ یثرب روانہ

ہو گئے۔ دوسرے سال حج کے موقع پر بارہ افراد کا قافلہ حضورؐ کی ملاقات کے لیے آیا اور عقبہ کے مقام پر دست پیغمبرؐ پر بیعت کی۔ یہ بیعت عقبہ اور بیعت النساء کے نام سے مشہور ہے۔ بعثت کا بارہواں سال تھا۔ ان کی درخواست پر حضور اکرمؐ نے ہجرت سے دو سال قبل مصعبؓ بن عمیر کو مبلغ بنا کر ساتھ بھیج دیا۔ یہاں دین اسلام قبول ہوتا گیا۔ اگلے سال 73 مردوں اور عورتوں کا قافلہ حج کے موقع پر مکّہ آیا۔ اس وقت حضورؐ اکرم کے ہمراہ حضرت عباسؓ بھی تھے۔ یثرب کے قافلے نے درخواست کی کہ حضورؐ اپنے قدوم میمنت لزوم سے یثرب کو شرف بخشیں۔ سرورِ کائناتؐ نے جب اسلام کی روشنی دلوں میں پھیلتی دیکھی تو دعوت منظور فرمالی۔ اس وقت حضرت عباسؓ نے فرمایا:

''اے بنی خزرج! محمد اپنے خاندان میں معزز ہیں، شریف ہیں، محترم ہیں۔ دشمنوں کے مقابلے میں بنو ہاشم ہمیشہ ان کے لیے سینہ سپر رہے ہیں۔ اب تم انہیں دعوت دے رہے ہو، ایسا نہ ہو کہ جب یہ یثرب تشریف لے جائیں تو تم لوگ ان کا ساتھ چھوڑ جاؤ۔''

براءؓ نے جواب دیا:

''عباسؓ! ہم نے تلواروں کی آغوش میں پرورش پائی ہے۔''

ابوالہیثمؓ نے کہا:

''ایسا نہ ہو جب آپ کو اقتدار مل جائے تو آپؐ ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ کر پھر مکّہ تشریف لے آئیں۔''

حضورؐ نے مسکرا کر فرمایا:

''میرا خون تمہارا خون ہے۔ تم میرے ہو، میں تمہارا ہوں۔''

حضورؐ کے ارشادات سن کر سب نے بیعت شروع کر دی اور سرزمین یثرب دین کی دولت سے مالا مال ہونا شروع ہو گئی۔ بنی خزرج اپنے قول و اقرار پر آخری دم تک پورے اُترے۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ کے ساتھ نکاح

حضرت خدیجہؓ الکبریٰ کی موت کے باعث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر بے آباد ہو کر رہ گیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ جب مائیں

مرجائیں تو بچے دیواروں کے ساتھ لگ کر روتے ہیں۔حضورؐ کی گھریلو زندگی اور نبوت کے فرائض دیکھ کر صحابہؓ بہت پریشان رہتے تھے۔آخر حضرت سودہؓ کے ساتھ آپ کا نکاح ہوا تو گھر اور بچوں کی پرورش سے بے فکری ہوئی۔اس سے پیشتر حضرت عائشہؓ صدیقہ جو مسلمان پیدا ہوئی تھیں، سے آپ کا نکاح ہو چکا تھا لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔حضرت ام حبیبہؓ کا نجاشی نے چار صد دینار مہر پر حضورؐ کے ساتھ نکاح کر دیا تھا۔لیکن وہ ابھی حبشہ میں تھیں۔حضور اکرمؐ کی طرف سے خالد بن سعید وکیل تھے۔

نبی کریمؐ کی ازواج مطہرات

1- حضرت خدیجہؓ بنت خویلد: یہ بیوہ تھیں۔آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے 25 برس کی عمر میں سیّدہ خدیجہؓ سے نکاح کیا اور سیّدہ خدیجہؓ سے آپؐ کے صاحبزادے قاسم اور عبداللہ طاہر پیدا ہوئے اور صاحبزادیوں میں زینبؓ، رقیہؓ، اُم کلثومؓ، فاطمہؓ پیدا ہوئیں۔حضرت خدیجہؓ کا انتقال مکہ میں ہوا۔(طبقات ابن سعد)

2- حضرت سودہؓ بنت زمعہ: ان کا تعلق قریش کے قبیلہ عامر سے تھا۔ان کا عقد سکران بن عمرو بن عبدالشمس سے ہوا تھا۔سکران اور وہ مکہ معظمہ میں مسلمان ہو گئے تھے۔سکران کی وفات کے بعد آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے ان کا عقد ہوا۔ان کی وفات شوال 16ھ میں ہوئی۔

3- حضرت عائشہؓ صدیقہ بنت صدیق اکبرؓ: ان کا تعلق قریش کے قبیلہ تیم سے تھا۔والد خلیفہ اوّل صدیق اکبرؓ تھے۔ان کی وفات 7 رمضان 58ھ کو ہوئی۔

4- حضرت حفصہؓ بنت فاروق اعظمؓ: ان کا تعلق قریشی کے قبیلہ عدی سے تھا۔والد خلیفہ ثانی فاروق اعظمؓ تھے۔ان کی وفات شعبان 41ھ میں ہوئی۔ان کا پہلا عقد خنیس بن خدافہ سہمی سے ہوا۔ان کی وفات کے بعد آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے عقد میں آئیں۔

5- حضرت اُم حبیبہؓ بنت ابوسفیانؓ: ان کا تعلق قریش کے قبیلہ امیہ سے تھا۔والد سیدنا ابوسفیان بن حرب تھے۔ان کا پہلا عقد عبیداللہ بن جحش سے ہوا تھا۔عبیداللہ نے حبشہ پہنچ کر عیسائیت اختیار کر لی۔ان کے بعد سیّدہ اُم حبیبہؓ کا عقد آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے ہوا۔ان کی وفات 44ھ میں ہوئی۔

6- حضرت ام سلمہؓ بنت ابو امیہ: ان کا تعلق قریش کے قبیلہ مخزوم سے تھا۔ پہلا عقد ام سلمہؓ کا عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوا تھا۔ ان کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقد ہوا اور 59ھ میں وفات پائی۔

7- حضرت زینبؓ بنت جحش: ان کا تعلق بنو اسد بن خزیمہ سے تھا۔ ان کا نکاح زیدؓ بن حارث سے ہوا۔ انہوں نے طلاق دے دی۔ بعد ازاں ان کا عقد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا اور ان کی وفات فاروق اعظمؓ کے عہد میں 20ھ میں ہوئی۔

8- اُم المساکین حضرت زینبؓ بنت خزیمہ: ان کا تعلق قبیلہ عامر بن صعصعہ سے تھا۔ ان کا پہلا عقد طفیلؓ بن حارثؓ دوسرا عبیدہؓ بن حارثؓ سے ہوا تھا۔ عبیدہؓ کی جنگ بدر میں شہادت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کا عقد ہوا۔ نکاح کے بعد ہجرت کے 29 ماہ بعد 3ھ میں عہد رسالت میں وفات ہوئی۔

9- حضرت جویریہؓ بنت حارث: ان کا تعلق قبیلہ مصطلق سے تھا۔ ان کا عقد مسافع بن صفوان ذوالشفر سے ہوا۔ ان کے بعد صفوان بن مالک سے عقد ہوا۔ صفوان کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کا عقد ہوا۔ ان کی وفات 56ھ یا 50ھ میں بتائی جاتی ہے۔

10- حضرت صفیہؓ بنت حیی: ان کا تعلق یہود قبیلہ نضیر سے تھا۔ ان کا پہلا عقد سلام بن حکم قرظی سے ہوا۔ ان کے بعد کنانہ بن اب حقیق نے نکاح کیا جو غزوۂ خیبر میں مارا گیا۔ غزوۂ خیبر میں حضرت صفیہؓ گرفتار ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کیا۔ ان کی وفات 52ھ میں ہوئی۔

11- حضرت میمونہؓ بنت حارث: ان کا تعلق قبیلہ عامر بن صعصعہ سے تھا۔ ان سے جاہلیت میں مسعود بن عمرو ثقفی نے نکاح کیا، پھر طلاق دے دی۔ بعد میں ابورحم بن عبدالعزیٰ نے نکاح کر لیا۔ ان کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے عقد کیا۔ ان کی وفات 51ھ میں ہوئی۔

12- حضرت ریحانہؓ بنت زید: ان کا تعلق یہودی قبیلہ نضیر سے تھا۔ ان کا پہلا عقد ان کے قبیلے کے ایک شخص حکم سے ہوا تھا۔ بنو قریظہ کے قیدی آئے تو آپؐ نے ریحانہؓ بنت زید کو آزاد

کر کے ان سے نکاح کیا اور وہ آپ ﷺ کی زندگی میں وفات پا گئیں۔ (طبقات ابن سعد)

13- حضرت ماریہ قبطیہؓ: ان کا تعلق مصر سے تھا۔ مصر کے حکمران مقوقس نے انہیں آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ آپؐ نے انہیں ملک یمین کی حیثیت سے اپنے پاس رکھا اور ان سے ایک صاحبزادے ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔

باب 9

معراج

معراج حضور سرورِ عالم کی زندگی کا عجیب وغریب معجزہ ہے۔ آپ نے جسم وروح کے ساتھ عین عالم بیداری میں آسمانوں کی سیر فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں قابِ قوسین تک پہنچے جہاں تک آج تک کوئی بشر نہیں پہنچ سکا۔ سبحٰن الذی اسرا بعبدہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اسرا تک لے گیا، تو حق تعالیٰ کی تجلیات کا رُودررُو مشاہدہ کیا۔ معراج کے لفظ کا مصدر عروج ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، عرج بی، مجھے بلندی پر لے جایا گیا یعنی جب اللہ تعالیٰ کے محبوب پیغمبر کو سلبی اور ایجابی طور پر ہر طرح آزما لیا گیا، جب مشاہدات وتجربات کی تمام صنفی طاقتیں آخری نقطہ پر پہنچ گئیں، جب تمام عناصر ارضی وسماوی کا ذرّہ ذرّہ سرچشمۂ رحمت کے عزائم سے ٹکرا چکا، جب صدق ودیانت، رحمت و شفقت اور صبر وسکون کے کوہِ عظیم میں کسی طرح بھی جنبش پیدا نہ ہو سکی تو اس کا ردِعمل شروع ہوا۔

اب زمین وآسمان، جمادات وحیوانات، چرند پرند، جن وبشر تمام کائنات کا ذرّہ ذرّہ بلکہ ملاء اعلیٰ کی تمام مخلوق بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف مائل ہونا شروع ہوگئی۔ جب تمام ارتقائی منازل طے ہو چکیں تو احوال ومقامات کو رفعت بخشی گئی۔ اب پیغمبر کون ومکاں کے لیے تمام ارض وسماوات کی علوی، مرئی اور مادی طاقتیں مسخر ہونے لگیں اور خاکِ مکّہ سے سدرۃ المنتہیٰ تک راستے تجویز کر دیئے گئے۔ ایک رات حرمِ پاک میں حضور محوِ استراحت تھے کہ عرش سے بلاوا آیا۔ رئیس قدسیاں حضرت جبرئیل امینؑ تشریف لائے اور صاحبِ معراج کو ہمرکابی کی دعوت دی۔ لیکن اس انسانِ کامل کا کمال عرفان ملاحظہ ہو کہ ایک مقام پر پہنچ کر جبرئیلؑ پیچھے رہ گئے اور صاحبؐ معراج بہ نفس نفیس بہ جسدِ عنصری بارگاہِ ایزدی میں تشریف لے گئے۔ بساط آرائے شہود کا مبلّغ اعظمؐ جو بنی

نوعِ انسان کو حق و ہدایت کی تبلیغ کرتا رہا، وہ نیکی کا مصدر، احسان و مروت کا منبع، وہ رفاع عامہ کے امر سبقت کا خوگر، رشد و ہدایت کا سرچشمہ، غریبوں، بے کسوں اور مسکینوں کا مونس، رحمت و شفقت کا پیکر، اللہ تعالیٰ کا آخری پیغمبرؑ اپنے خالق کے حضور حاضر ہوا تو اس کے کارہائے نمایاں ارتقائے انسانی کو دیکھ کر فرشتے بھی اش اش کر اٹھے اور درود و صلوٰۃ کی نغمہ ریزیوں سے عرش و کرسی گونج اٹھے۔ نبیؑ اپنی زبان میں نہیں بولتا۔ اس کی زبان اللہ تعالیٰ کی زبان ہوتی ہے۔ فطرت بھی پیغمبر پر تمام سربستہ رموز و حقائق آشکارا کر دیتی ہے۔ رسول چوں کہ تمام معارف کا گنجینہ ہوتا ہے، اس لیے اس کا خاصا ہے کہ مقامات کی بلندیوں اور مدارج و مناصب کی رفعتوں سے اس کے دل میں دنیوی بڑائی کا خیال پیدا نہیں ہوتا۔ نبی کا حوصلہ اور ظرف اس قدر وسیع اور بلند ہوتا ہے کہ وہ حقیقت کبریٰ کا ادراک ہونے کے باوجود عبودیت اور انکساری کا اظہار کرتا ہے۔ حضور سرورِ عالم غایت درجہ کے کریم النفس اور رؤف و رحیم ہیں۔ آپ کسی نعمت سے اکیلے لطف اندوز ہونا پسند نہیں فرماتے۔ نبی اور ولی میں یہی فرق ہے کہ پیغمبر حق تعالیٰ کی تجلّیات میں اپنی امت کو بھی شریک کر لیتا ہے اور ولی خود ہی لطف اندوز ہوتا ہے۔ حضرت عبدالقدوس گنگوہی ایک جگہ فرماتے ہیں:

''محمدؐ عربی برفلک الافلاک رفت و باز آمد اگر من رفتے باز نیآمدے۔''

لیکن سرورِ عالم یہ کیسے پسند فرماتے کہ آپ تو رویت حقیقت سے مشرف ہوں اور امت محروم رہے۔ سرکارِ دوعالم عرشِ معلّٰی اور قابِ قوسین کی رفعتوں سے نماز کا تحفہ لائے اور امت کے لیے نماز ہی ترقی و سعادت اور وسیلۂ نجات ہے۔ ع

ہست معراج مسلمان در نماز

کون جانے حُسن و عشق میں کیا کیا راز و نیاز ہوئے لیکن یہ بات مصدقہ ہے کہ تمام گفتگو بہبودی ملّت کے لیے اور امت کی بخشش کے لیے تھی۔ پہلے صرف صبح و شام کی نمازیں ادا ہوتی تھیں، اب پانچ نمازیں فرض ہو گئیں۔

شب معراج میں سب سے پہلے حضرت آدمؑ سے ملاقات ہوئی۔ امام الانبیا نے تمام پیغمبروں کی امامت فرمائی۔ آپؐ نے فرمایا:

''میرے سامنے تین پیالے پیش کیے گئے جن میں دودھ، پانی اور شراب تھی۔ میں نے

دودھ نوش کر لیا تو جبرئیل امینؑ نے فرمایا آپؐ نے امت کو صراطِ مستقیم دکھا دی۔"

جو لوگ جسمانی معراج کے قائل نہیں، انہیں تدبر کرنا چاہیے کہ اگر آپؐ فرماتے، میں نے خواب دیکھا ہے تو کفار کو بھی کوئی تشویش نہ ہوتی کیوں کہ خواب میں تو آدمی بہت کچھ دیکھتا ہے۔

قرآن پاک کا فرمان ہے۔

سبحٰن الذی اسرا بعبدہ۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جس نے اپنے بندے کو آسمانوں کی سیر کرائی۔

یہاں عبد کا لفظ آیا ہے۔ عبد، رُوح اور جسم والی شے کو کہا جاتا ہے۔ لیکن

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر

نیز اللہ تعالیٰ سبحان ہے، قادر ہے، جو کچھ چاہے کر سکتا ہے۔ اب تو سائنس نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ انسان آسمان کی بلندیوں کو چھو سکتا ہے۔

معراج میں نماز فرض ہوئی تو جبرئیل امینؑ تشریف لائے۔ رسولِ اکرمؐ اس وقت پہاڑ پر قیام فرما تھے۔ آپ نے پر مارا تو وہاں پانی نکل آیا۔ حضورؐ نے وضو فرمایا۔ پھر اوّل و آخر وقت پر نمازیں ادا فرمائیں۔

صدیق اکبرؓ کی شانِ تصدیق

دوسری صبح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واقعہ معراج کی تفصیلات بیان فرمائیں تو یہ خبر ابوجہل کے کانوں تک پہنچی۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گیا اور کہا:

"تیرے دوست نے ایک نئی بات کہی ہے۔ اُس نے بیت المقدس اور آسمانوں کی سیر کی ہے۔"

جناب ابوبکرؓ نے جواب دیا:

"یہ تم کہتے ہو یا حضور اکرمؐ نے فرمایا ہے؟ اگر سرکارِ دو عالم نے فرمایا ہے تو سچ ہے کہ رسول دروغ گو نہیں ہو سکتا۔"

اسی تصدیق کے باعث حضرت ابوبکرؓ دربارِ رسالت سے صدیق کے خطاب سے نوازے

گئے۔ سچ ہے پیغمبر کی تصدیق کرنے والا صدیق کہلاتا ہے اور جو انکار کرے ابوجہل بن جائے۔

رسولؐ اللہ کی مخالفت

ابولہب اور ابوجہل کی رسول اللہ سے مخاصمت ذاتی وجوہ کی بنا پر تھی۔ اگر اس مسئلہ پر نفسیاتی نقطہ نگاہ سے غور کیا جائے تو ان معاندین اسلام کے حسد و بغض کا باعث چند ذاتی واقعات ہیں جن کی وجہ سے یہ لوگ عمر بھر سرکارِ دو عالم کی مخالفت کرتے رہے۔ ایک مرتبہ جناب ابو طالب اور ابولہب میں کسی معاملہ پر تنازع پیدا ہو گیا۔ جب بات بڑھی تو ابولہب نے ابوطالب کو نیچے گرا لیا اور طمانچے رسید کیے۔ رسولؐ اللہ پاس کھڑے تھے۔ آپ کی طبیعت اپنے شفیق چچا کی توہین برداشت نہ کر سکی۔ آپؐ نے ابولہب کو پکڑ کر نیچے گرا دیا جس کے نتیجے میں ابوطالب اُس کی چھاتی پر سوار ہو گئے اور اسی طرح طمانچے مارنے لگے۔ ابولہب نے رسولؐ اللہ سے کہا:

''بھتیجے، میں بھی تیرا چچا ہوں لیکن تم نے جو سلوک مجھ سے کیا ہے، میرا دل زندگی بھر تمہاری طرف سے صاف نہ ہوگا۔''

چنانچہ اُس نے عمر بھر آنحضور کی مخالفت کی۔

اسی طرح ابوجہل حالاں کہ یہ شخص بہت ذہین اور معاملہ فہم تھا۔ رسول کریمؐ سے اس کی رنجش بھی ایک دو ذاتی واقعات کی بنا پر ہوئی جو عمر بھر کی مخالفت کا پیش خیمہ بن گئی۔ ابوجہل نے یمن کے ایک تاجر سے اونٹ خریدا۔ لیکن دام نہیں دیئے۔ مسافر نے الندوہ میں آ کر فریاد کی۔ مکہ میں حلف الفضول ایک جمعیت تھی جو ظالم سے مظلوم کا حق دلانے کے لیے سرگرم رہتی۔ حلف الفضول کے لوگوں نے از راہ مذاق کملی والے آقا کی طرف اشارہ کر کے کہا:

''یہ ابوالحکم سے تمہارا حق دلا دیں گے۔''

دست گیر بے کساں مظلوم وردرسی کے لیے ابوجہل کے گھر تشریف لے گئے۔ دروازہ پر دستک دی۔ ابوجہل باہر آیا تو آپؐ نے فرمایا:

''اونٹ کی قیمت ادا کرو۔''

یہ سُن کر ابوجہل پر لرزہ طاری ہو گیا اور بے چون و چرا آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ قریش

نے حیران ہو کر پوچھا تو جواب دیا:

''جب ابن عبداللہ نے رقم کی ادائیگی کے لیے کہا تو مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی اور قیمت ادا کرتے ہی بنی۔''

ابوجہل ایک یتیم بچے کا وصی مقرر ہوا۔ اس کے باپ کا چھوڑا ہوا تمام ترکہ اس کے پاس تھا لیکن یتیم کے جسم پر کپڑے بھی نہیں تھے۔ قریش نے بچے کو دُرِ یتیمؐ کے پاس بھیج دیا۔ آپؐ نے ابوجہل سے فرمایا:

''بچے کا حق ادا کرو۔''

آپؐ کا فرمان سُن کر اس کا رنگ فق ہو گیا اور بچے کو اُس کا مال و منال دے دیا۔

ایسی باتوں سے ابوجہل کا دل آنحضورؐ کی طرف عمر بھر کے لیے بوجھل ہو گیا۔

باب 10

ہجرتِ مدینہ

قریش کی ایذا رسانیوں نے تاج دارِ کون و مکاں اور زیرِ تربیت صحابہؓ پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ بعض شقی القلب لوگوں نے تو سرچشمۂ خیر و برکت کو ٹھکانے لگا دینے کی تجویز پیش کی اور کچھ نرم مزاج مخالفین نے جلاوطنی اور قید اور زنجیریں پہنا کر جنگل میں چھوڑنے کا مشورہ دیا۔ ابوجہل نے تجویز پیش کی کہ تمام قبائل باہم مل کر حضور اکرمؐ پر حملہ کریں تاکہ بنو ہاشم کسی سے انتقام لینے کی جرأت نہ کر سکیں۔ اس پر آنحضورؐ کی پھوپھی رقیہ بنت ابی سیف نے آپ کو اطلاع دی کہ دارالندوہ میں آج شب آپ کو شہید کر دینے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ ادھر داعیٔ حق امتحان کے میدان میں ڈٹ کر کھڑے ہیں۔ کوئی سنے نہ سنے اپنی دعوت دیئے جا رہے ہیں۔ آخر جور و ستم کے تاریک بادل چھٹے بلاشبہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذاتِ اقدس زمان و مکان کی نسبتوں سے منزہ و مبرّا اور جہت و سمت کے تمام تصورات سے بلند ہے لیکن خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے مظلوم مسلمانوں کو ہجرت کے احکام مل گئے۔

ہجرت آئین حیات مسلم است
دیں زاسباب ثبات محکم است

یعنی اب مدینہ منورّہ کی ارضِ پاک مقدس بنا دی گئی اور صحابہؓ کو اسلام کے دارالسلام کی طرف ہجرت کی اجازت مل گئی۔ آقائے نامدار دوپہر کے وقت صدیق اکبرؓ کے گھر جلوہ افروز ہیں۔ صدیقؓ نے جب ہمرکابی کا مژدہ سُنا تو خوشی کے آنسو آ گئے کہ رسالت کی ہمرکابی مومن کی معراج ہے۔ کفار نے سرِ شام ہی کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کر لیا۔ نماز عشاء کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو

سرکارِدوؐ عالم نے اپنے بستر پر حضرموتی چادر دے کر لٹا دیا۔لوگوں کی امانتیں سپرد کیں اور نصف شب کے قریب تاجدارِ دوؐ عالم، سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات کی تلاوت فرماتے ہوئے گھر سے نکل گئے۔ صبح جب شیرِ خدا کو بستر پر دیکھا تو غصہ اور خجالت کے باعث تعاقب میں نکلے لیکن جانے والوں کی گردِ راہ تک بھی نہ پا سکے۔

غارِ ثور میں پناہ

یہ غار مکّہ مکرمہ سے تین میل دُور جنوب کی جانب واقع ہے۔ غارِ حرا نبوت کے جلوؤں سے سرشار ہو چکا تھا۔اب غارِ ثور کی بلند چوٹی کے نصیب جاگے۔

تین دن سے اس غار کی تنہائیوں میں دو متنفس چھپے بیٹھے ہیں۔اس دوران میں ثور کے دہانے پر مکڑی نے جالا تن دیا اور حرم پاک کے کبوتروں کے جدامجد ایک جوڑے نے وہاں انڈے دیئے اور جھونج لگائے وہاں بیٹھے رہے۔ جناب رسالت مآبؐ آرام فرما رہے ہیں، صدیق اکبرؓ رخ زیبائے نبوت پر نظریں گاڑے بیٹھے ہیں کہ غار کے دہانے پر کچھ آوازیں سنائی دیتی ہیں۔تعاقب کرنے والوں کے پاؤں کی آہٹ پا کر ایک ساتھی دوسرے کی طرف سہمی سہمی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ایک مجسم اطمینان و سکون اور دوسرا سرتاپا اضطراب، ایک نے دوسرے سے کہا:

"لاتحزن ان اللہ معنا۔"

سرکار دوؐ عالم کے تاریخی الفاظ میں سکون و جمعیت خاطر اور طمانیت کی جھلک نمایاں ہے۔ لاتحزن کے الفاظ قرآن پاک نے بھی اپنے اوراق میں محفوظ کر لیے۔ ان الفاظ میں پیغمبرؐ آخرالزماں ایمان و ایقان کے سربلند مقام پر فائز المرام نظر آتے ہیں۔

صدیق اکبرؓ کے صاحبزادے جناب عبداللہ، قریش کی تمام نقل و حرکت حضورؐ کے گوش گزار کر جاتے ہیں۔ ابوبکر صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء ذات النطاقین گھر سے ناشتہ دان میں کھانا لاتی ہے اور یارِ غار کا آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ شام کو بکریوں کا دودھ پلا کر نشانِ پا مٹا جاتا ہے۔آخری تیسری رات دو سبک رفتار اونٹنیاں ثور کے کنارے پہنچیں۔حضورؐ ایک ناقہ قیمتاً چار صد درہم میں خرید لیتے ہیں۔ سرور کائناتؐ اور ان کے یارِ غارؓ سوار ہوئے اور رات کے

اندھیروں میں نور و نکہت کا یہ مختصر قافلہ عازم یثرب ہو جاتا ہے۔ یہ 13 نبوی 54، عام الفیل بروز دوشنبہ کا واقعہ ہے۔

سراقہ بن جعشم

آخر قریش نے مایوس ہو کر حضور اکرمؐ اور صدیق اکبرؓ کی گرفتاری کے لیے سو اونٹ کا انعام مقرر کیا۔ تو سراقہ بن جعشم قسمت آزمائی کے لیے نکلا۔ اسپ تازی پر سوار تھا کہ اس مقدس قافلے کے قریب جا پہنچا تو اسپ نے سکندری کھائی۔ سوار بھی گر گیا۔ ہمت کر کے دوبارہ اٹھا۔ تیر سے فال نکالی جو مخالف تھی۔ اب گھوڑا پتھریلی زمین میں دھنس گیا۔ اس نے سوچا، قدرت کا مقابلہ مشکل ہے۔ مجبوراً آپؐ سے امان کی تحریر کا طالب ہوا۔ صدیق اکبرؓ کا خادم عامر بن فہیرہ ہمراہ آیا۔ آپؐ کے حکم پر اُس نے چمڑے کے ٹکڑے پر امن کا فرمان تحریر کر دیا اور سراقہ یہ تحریر لے کر واپس ہو گیا۔ دیگر لوگ جو حضور کی تلاش میں نکلے تھے، واپس کرتا گیا۔ (ابن سعد)

سرکار دو عالم کے متعلق ایک اور مسافر کے سوال پر صدیق اکبرؓ نے جواب دیا:

"ھذا رجل یھدنی السبیل۔ یہ میرا ہادی و رہنما ہے۔"

راستے میں حضرت زبیرؓ نے، جو شام سے سامانِ تجارت لے کر مکہ آ رہے تھے، حضور اکرمؐ کی خدمت اقدس میں قیمتی پارچات پیش کیے جو قبول فرما لیے گئے۔

بریدہ اسلمی

انبیائے کرام دنیائے دل کے بلاشرکتِ غیرے حکمران ہوتے ہیں، ان کے نور افشاں چہرے محبت کے پھول اور ایمان و تقویٰ کی معراج ہوتے ہیں۔ ان کے عزم و صداقت کے جوہر شوکت و سطوت سے زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کی پیشانیوں اور آنکھوں سے خیرہ کر دینے والی روشنی پھوٹتی ہے۔ اسی تبسم آمیز نور سے ان کی رُوحیں حسن معنی کا ادراک رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نیک فطرت لوگ ان کے احکام پر جانیں نثار کر دیتے ہیں۔

ینبوع کے مقام پر بریدہ اسلمی نے بھی ستر سوار لے کر انعام کے لالچ میں اس مقدس

1۔ قبا کھلے بازوؤں والا گاؤن۔ قبا فاصلے کو 1.5 بھی کہتے ہیں۔

قافلے کو ہراساں کرنے کی جسارت کی لیکن سرکارِ دوؐ عالم کا رُخ مبارک دیکھ کر ایمان لے آیا اور آپؐ کے ساتھ جلوس کی صورت میں محافظ بن کر دارالامان کے قرب تک پہنچا۔

رسولِ اکرمؐ کی ایک جھلک

دوسرے دن حدی خوان حجاز کو صحرا میں قبیلہ خزاعہ کا خیمہ نظر آیا۔ عاتکہ بن خالد ام معبد خیمے کی مالکہ نے ان برگزیدہ اور پیاسے مسافروں کا خیر مقدم کیا۔ اس کے صحن میں ایک مریل سی بکری بندھی ہوئی تھی۔ جب خورد و نوش کے لیے کوئی شے نہ ملی تو خواجہ کونؐ و مکاں کے فیض و برکت سے اس بکری کے تھنوں میں بافراط دودھ اتر آیا۔ ام معبد نے وہی دودھ آپؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو پہلے دیا اور خود بعد میں نوش فرمایا۔ نیز فرمایا، ساقی القوم آخر ھم۔ دودھ بچ بھی گیا۔ تینوں مسافر کچھ دیر ستانے کے بعد منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ رات گئے جب اُس کا خاوند گھر آیا، ام معبد نے دُودھ کا ماجرا بیان کیا، نیز آپ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا۔

وہ ہاشمی سردار، حسنِ مجسم، دلکش و رعنا، خوش اندام، پاکیزہ رو اور صاحب جمال ہے۔ اس کا جسم اکہرا، قد میانہ، رنگ سُرخ و سفید، پیشانی بلند، شانے اور سینہ کشادہ، ابرو خمدار پیوستہ، پیشانی کی درمیانی رگ ابھری ہوئی، چہرہ نیم بیضوی، آنکھیں سرگیں، مسحور کن، شرم و حیا سے معمور، سفیدی میں سُرخ ڈورے، پلکیں دراز، ریش مبارک سیاہ، ہونٹ پتلے جیسے گلاب کی پتیاں، دانت موتیوں کی طرح چمکدار، رخسار سرخی مائل، سر کے بال طویل اور نیم گھنگرالے، پسندیدہ خو، رفتار باوقار، دُور سے دیکھیں تو دلفریب دیدہ زیب، قریب سے خوب صورت، جامہ زیب، آواز میں تمکنت، خوش آہنگ، شیریں مقال، واضح کلام، مخدوم و مطاع، سادہ مگر پاکیزہ، لباس خوشبو سے مہکا ہوا، گفتگو گویا موتیوں کی لڑی اور عالی مرتبت۔

خاوند نے یہ سب کچھ سُن کر کہا:

"کاش! میں اس ہاشمی جوان کی زیارت کر سکتا۔ میرے خیال میں وہ وہی برگزیدہ ہستی ہے جو دینِ حق کا داعی ہے۔"

بے آب و گیاہ ریگ زار کے ذرّات اور آسمان کے ستارے شوق و ادب میں ڈوبی ہوئی

نگاہوں سے اس مختصر قافلے کو دیکھ رہے ہیں۔ بادِ نسیم کے جھونکے نغمات سرمدی چھیڑ رہے ہیں۔ عرشِ عظیم کی بلندیاں منزلوں پر جھکی جارہی ہیں۔ یثرب کے نخلستانوں کی طویل القامت کھجوریں ایڑیوں کے بل کھڑی ہو کر بہارِ جاوداں کا انتظار کر رہی ہیں۔ باغوں میں کلیاں اور غنچے مسکرا مسکرا کر شگفتہ پھول بن رہے ہیں۔ گلستانوں کے خاموش اور ساکت نخیل واشجار ادب سے ایستادہ ہیں۔ صحرا کی پگڈنڈیاں کسی شہسوار کے انتظار میں بچھی جارہی ہیں۔ پرند جھک جھک کر، چرند منہ اٹھا اٹھا کر حدی خوانِ حجاز کی راہ تک رہے ہیں کہ دو سانڈنی سواروں کا قافلہ جن کے چہروں پر ایمان وایقان کا نور جھلک رہا ہے، 12 دن کے مسلسل سفر کے بعد 12 ربیع الاوّل بروز دوشنبہ 13 نبوی، دوپہر کے وقت قبا میں پہنچ جاتا ہے۔ قبا کی ایک پہاڑی جسے ثنیات الوداع بھی کہا جاتا ہے۔ لوگ روزانہ ایک حرۂ سیاہ پر آپ کا انتظار کرتے ہیں۔ دونوں مسافر وہاں پہنچ کر ایک کھجور کے سائے تلے تشریف فرما ہوئے۔ لوگ پروانہ وار شمع رسالت کے نور سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ جب دھوپ کی تمازت بڑھی تو صدیق اکبرؓ نے اس چادر سے جو زبیرؓ بن عوام نے پیش کی تھی، رُخ مبارک پر سایہ کر دیا۔ یوں خیر مقدم کرنے والوں نے حضور اکرمؐ کو پہچان لیا۔ (ابن ہشام)

وادیٔ قبا (قبا، کھلے بازوؤں والا گاؤں، قبا فاصلے کو بھی کہتے ہیں) میں قیام کے دوران آپ کلثوم بن الہدم کے مہمان رہے۔ پھر ان کی افتادہ زمین پر مسجد کی بنیاد رکھی۔ آپؐ خود بھی پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور تعمیر میں برابر کے شریک رہے۔ اہل اسلام کے لیے یہ بنیادی تعلیم تھی کہ مسلمان جہاں پہنچیں وہاں خدائے برتر وواحد کی عبادت کے لیے عبادت گاہ یعنی مسجد تعمیر کریں۔ خواہ وہ دمشق میں ہو یا قرطبہ ومصر، غزنی، دہلی ہو یا لاہور۔

ادھر کفارِ مکّہ نے صبح حضرت علیؓ مرتضیٰ کو گرفتار کر لیا۔ لیکن اپنی امانتوں کے لالچ میں اسی وقت رِہا کر دیا۔ اس طرح چند روز بعد شیر خداؓ بھی اہل مکّہ کی امانتیں سپرد کر کے سفر کی تکان سے چور لیکن شاداں وفرحاں اس مقدس قافلے سے آ ملے۔ مکّہ مکرمہ کے مظلوم مسلمان تو پہلے ہی خاموشی سے یثرب پہنچ چکے تھے۔ اہل بیت اور صدیقؓ اکبر کے سوا مکّہ میں کوئی فرد نہیں رہا تھا۔ عرصہ بعد حضرت عمرؓ بن العاص، خالدؓ بن ولید، عثمانؓ بن طلحہ قبولِ اسلام کی نیت سے جب مدینہ منورّہ پہنچے تو رسالت مآبؐ نے فرمایا:

''ملّہ نے اپنے تین بیش قیمت موتی ہماری جانب پھینک دیئے ہیں۔''

قبا میں 14 دن قیام کے بعد حضور اکرمؐ حوالیٔ مدینہ میں داخل ہوئے۔ جب کوکبۂ نبوی کی آواز جرس کانوں تک پہنچی تو لوگ دیوانہ وار استقبال کے لیے دوڑے آئے۔ راستہ میں بنی سلم کے محلّہ میں نمازِ جمعہ ادا فرمائی۔ خطبہ بھی فرمایا۔ اس نماز میں ایک سو مسلمان شریک تھے۔ بنونجار کی نوخیز دوشیزائیں والہانہ انداز میں دف بجا بجا کر خوش آمدید کے گیت گانے لگیں۔

نحن جوار من بني نجار　　　　یا جندا محمداً من جار

معصومیت ان دوشیزاؤں کے چہروں پر پروانہ وار نثار ہو رہی تھی۔ سرورِ کونین کی سواری جب قریب سے گزری تو ان کے بھولے بھالے چہرے نورِ مسرّت سے چمک اٹھے۔ جوشِ مسرّت اور فرطِ عقیدت سے یثرب معمورۂ نشاط بن گیا۔ حمد و ثنا کے نغموں سے فضائیں گونج اٹھیں۔ مہمانِ عزیز کے خیر مقدم کے لیے خاکِ یثرب کا ذرّہ ذرّہ چمک اٹھا اور جب کاروانِ خلوص و محبت شہر میں داخل ہوا تو یثرب کا نام بدل کر مدینۃ النبیؐ رکھ دیا گیا۔ خواجۂ کونین کی ناقہ حضورؐ کے ننھیال خاندان بنونجار کے رُکنِ اعلیٰ جناب ابوایوبؓ انصاری کے مکان کے سامنے جا کر بیٹھ گئی۔ یہ مکان دو منزلہ اور پختہ تھا۔ تاجدارِ عرب و عجم نے اسی جگہ نزولِ اجلال فرمایا۔ پھر اسی مکان کے متصل مسجدِ نبویؐ کے لیے زمین کی تلاش ہوئی تو افتادہ اراضی کے مالک دو یتیم بچوں کو دس دینار قیمت ادا کر کے مسجد نبوی کا سنگِ بنیاد اپنے دستِ مبارک سے رکھا اور تعمیر شروع کر دی گئی۔ معمارِ دینِ حنیف حضرت رحمتہ اللعالمینؐ بہ نفسِ نفیس مسجد کی تعمیر کے لیے پتھر اٹھاتے اور رجز پڑھتے۔ تعمیر کی نگرانی حضرت عمارؓ یاسر کے سپرد کی گئی۔ کھجور کے تنوں کے ستون اور برگِ خرما کے چھپّر بنائے گئے۔ خانۂ خدا کی تعمیر کے بعد اہلِ بیت کے لیے حجرے تعمیر کیے گئے۔ اہلِ بیت کو مدینہ منورہ طلب کر لیا گیا اور اسلام غریب الوطنی میں پھلنے پھولنے لگا۔

(ابنِ ہشام)

باب 11

دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

خاکِ طیبہ ہر دو عالم خوشتر است
ایں خنک شہرے کہ ایں جا دلبر است

مدینہ آرائی زبان کا لفظ ہے۔ عموماً بستی یا قریہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مدینہ افضل البلاد، اسلامی تاریخ کا مرکز، سرورؐ عالم کا پسندیدہ وطن جس کی سرزمین کے ذرّے ذرّے کو حضور اکرمؐ کی پابوسی کا شرف حاصل ہے۔ اپنے دامن تاریخ میں عظیم یادداشتیں لیے پہاڑوں، وادیوں اور نخلستانوں میں گھرا ہوا شہر۔ امام ابو یوسفؒ کے مطابق، اس کا رقبہ کم و بیش 12 مربع میل تھا۔ یہ زرخیز علاقہ اس کی آب و ہوا معتدل، پانی وافر، سطح سمندر سے 2½ ہزار فٹ بلند، مکہ مکرمہ کے عین شمال میں 320 میل کے فاصلہ پر 39 طول بلد اور 24 عرض بلد حجاز میں واقع ہے۔ مضافات میں جنوب کی طرف جبل عسیر، شمال کی جانب جبل احد ہے۔ پہلے یثرب کے نام سے مشہور تھا۔ سرکارِ دوؐ عالم نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف بخشا تو مدینہ الرسولؐ کے نام سے موسوم ہو گیا۔ اس کے علاوہ بھی کئی ناموں سے ملقب ہے۔ منوّرہ، مبارکہ، طیبہ، قبا اور سلع۔ قرآن پاک نے بھی اس کے لیے مدینہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت نوحؑ کی ساتویں پشت کے عمالیق نامی شخص نے اس کی بنیاد رکھی تھی جو مصر کا حکمران تھا۔ یہ قریباً دو ہزار سال قبل مسیح کا زمانہ تھا۔ بنی جرہم کی ایک شاخ بھی یہاں آباد رہی۔ یہود بھی یہاں رہائش پذیر تھے۔ اوس اور خزرج دو سگے بھائی تھے۔ عہد رسالت تک بنی خزرج کا قبیلہ بنو النجار بھی یہاں آباد رہا۔

مدینہ منوّرہ ہی وہ پاک سرزمین اور مبارک شہر ہے جس کی گلیاں حضور اکرمؐ کے قیام کے

باعث معطر ہیں۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورّہ بالاتفاق تمام بلاد شرق و غرب سے افضل ترین مقامات ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مکہ مکرمہ افضل ہے۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی رائے میں مدینہ منورّہ افضل ہے۔ البتہ مدینہ منورّہ کا وہ حصّہ جو سرورِ عالمؐ کے جسم اطہر کے ساتھ ملا ہوا ہے، بالاتفاق تمام کائنات سے افضل ترین ہے، حتیٰ کہ مسجد حرام اور عرش و کرسی سے بھی افضل تر مانا جاتا ہے۔ حضور اکرمؐ نے اس شہر کے لیے بہترین جگہ کا انتخاب فرمایا۔ نیز اسے حرم قرار دیا۔ یہاں جنگ ممنوع قرار دی۔ یہاں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار گنا زیادہ فرمایا۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

نیز مسجد نبوی کو بیت المقدس اور بیت عتیق کے ہم پایہ قرار دیا۔ مسجد نبوی کی تعمیر میں سات ماہ صرف ہوئے۔ اس کے ساتھ وسیع قطع اراضی بھی شامل تھا جو مہاجرین کو بسانے کے کام آیا۔ مسجد کے ساتھ اہل بیت کے لیے حجرے بھی تعمیر کرائے گئے۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ کا حجرہ 10x7 ہاتھ تھا۔ سامنے چبوترہ اور رُخ قبلہ کی جانب تھا۔ دروازہ پر لکڑی کا کواڑ تھا۔ یہ صاف ستھرے حجرے دو سال تک تعمیر ہوتے رہے۔ آپ کشادہ مکان پسند فرماتے۔ غسل خانے، طہارت خانے اور بیت الخلا بھی بنوائے۔ یہ اسلامی تہذیب و تمدن کی طرف ارتقائی عمل تھا۔ پھر تمام اہل بیت کو بھی مکہ مکرمہ بلوالیا گیا۔

مکہ مکرمہ سے آنے والے پہلے مہاجر حضرت ابوسلمہ تھے۔ ان کی اہلیہ اور بچہ قریش نے چھین لیا تھا۔ اکثر مہاجرین نے چھپ کر ہجرت کی لیکن فاروق اعظمؓ 20 سواروں کا قافلہ ساتھ لے کر ہجرت کے لیے مدینہ منورّہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت حبیبؓ بن سنان، مکّہ کے مال دار مسلمانوں میں سے تھے۔ ہجرت کے وقت قریش نے ان کو روک لیا کہ جب تم یہاں آئے تھے تو فقیر تھے۔ اب یہ مال اہل مکّہ کا ہے۔ جناب حبیبؓ نے تمام اموال سے صرفِ نظر کیا اور تن تنہا مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اس پر مہاجرین کے ایثار کی تعریف قرآن پاک سورۂ بقرۃ میں نازل ہوئی۔

اس طرح یہاں پہلی سیاسی اسلامی حکومت قائم ہوئی جس کے سربراہ سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مقرر ہوئے۔ اب یہی مسجد اسلامی ریاست کا دارالخلافہ، ہائی کورٹ اور اسمبلی ہال تھا۔ اسلامی تعلیم سے بہرہ ور ہونے کے لیے اصحابؓ صفا کا چبوترہ تعمیر ہوا جسے یونیورسٹی اور اسلامی

دانش گاہ کا شرف حاصل تھا۔

حرمِ نبوی کا رقبہ اب 17000 مربع گز ہے جس میں سات تاریخی ستون ہیں۔ (1984ء)

ان کو استوانِ رحمت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان کے نیچے کے حصہ پر سفید پلاستر کیا گیا ہے۔ یہ حضورؐ اکرم کے زمانہ کی مسجد کی چھت کے نشان ہیں۔ پہلی قطار میں چار ستون ہیں۔ یہی ریاض الجنتہ کی حدود ہیں۔ باقی ستون سُرخ رنگ کے ہیں۔ ان پر طلائی دھاریاں ہیں۔ یہ مسجد نبوی کے صحن کے نشان ہیں۔ ان پر کھجوروں کے درخت کے خاکے بنائے گئے ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہیں کہ ستون کھجور کے تنے تھے۔ نام یہ ہیں:۔

1۔ ستون حنانہ۔

2۔ ستون حرس۔ صحابہؓ اس جگہ پہرہ دیا کرتے تھے۔

3۔ ستون توبہ۔ حضرت ابو البابہؓ سے ایک کوتاہی سرزد ہوگئی تو اُس نے اپنے آپ کو اس ستون سے باندھ لیا۔ جب توبہ قبول ہوئی تو رسولؐ اللہ نے اپنے دست مبارک سے آپ کی زنجیر کھولی۔

4۔ ستونِ وفود۔ اس جگہ حضورؐ بیرونی وفود سے ملاقات فرمایا کرتے تھے۔

5۔ ستونِ جبرئیلؑ۔ جناب رُوح الامین حضرت وحیہؓ کی انسانی شکل وصورت میں یہاں تشریف لائے۔

6۔ ستون سریر۔ اس جگہ رسول مقبولؐ نے اعتکاف فرمایا۔

7۔ ستونِ عائشہ صدیقہؓ۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ یہ جگہ بہت متبرک ہے۔

مواخات

مدینے پہنچ کر دنیا کے سب سے بڑے تاریخ ساز نے دُوراندیشی سے کام لیتے ہوئے انصارِ مدینہ اور مہاجرین مکّہ میں مواخات قائم کردی۔ گورے کالے کی تمیز ختم کرکے 186 مہاجرین کو انصار کے ساتھ ایک سلک میں پرو دیا۔ جب بھائی چارہ قائم ہوگیا تو انصارِ مدینہ نے بڑے ایثار سے کام لیا۔ اپنا مال، مکانات، زمین، سامانِ تجارت مہاجرین میں تقسیم کردیا۔

حضرت علی مرتضٰی کے انصاری بھائی ایک دن کام کرتے، دوسرے دن حضرت علیؓ۔

سارے دن میں 16 ڈول پانی لاتے۔ مدینہ منوّرہ میں ایک مکان زیرِ تعمیر تھا۔ آپ کو ہر ڈول کے عوض ایک دانہ کھجور مزدوری ملتی۔ اس طرح آپ آٹھ کھجوروں پر روزانہ زندگی بسر کرتے۔ یہ تھے وہ صحابہ کرامؓ جنھوں نے اسلام کی بنیادیں استوار کیں۔

مہاجرین مکّہ کاروباری تھے اور انصارِ مدینہ کاشت کار۔ اس مواخات سے مدینہ کی معیشت پر گہرا ارتقائی اثر ہوا۔ تجارت عام ہوگئی اور مدینہ منوّرہ ایک منڈی بن گیا۔

کفارِ مکّہ نے خدا کے برگزیدہ فرستادہ کی دعوت کو کئی سال تک درخورِ اعتنا نہ سمجھا بلکہ اذیتیں دیتے رہے۔ چشمۂ رحمت کے خلق و مروّت سے محروم رہے۔ اہل مدینہ نے آپ کو آنکھوں پر بٹھایا۔ روز بہ روز منبع خلق عظیم کے گردیدہ ہوتے چلے گئے۔ مکّہ میں پہاڑوں کے پتھر سلام پیش کرتے تھے۔ غارِ حرا اور ثور ہی جھکتے تھے لیکن مدینہ منوّرہ پہنچے تو بارگاہ نبوت میں جن و انس، شجر و حجر، چرند پرند غرض کائنات کا ذرّہ ذرّہ جھکنا شروع ہوگیا۔ اب بانجھ بکریاں اور اونٹنیاں دودھ دینے لگیں۔ تمازت سے جھلسے ہوئے کھجور کے پودے پھل دینے لگے۔ کھاری چشمے میٹھے ہوگئے۔ کھجور کا خشک تنا حنانہ بآوازِ بلند گریہ کناں ہوا۔

سبحان اللہ! دنیا کا سب سے بڑا کامل انسان جو اپنوں کے ہاتھوں رات کے اندھیروں میں بے سروسامان نکالا گیا، اب بستیاں تو کیا خار مغیلاں کے پیڑ بھی اس کے لیے پھولوں کے تختے بنے جارہے ہیں۔ خارزار اور صحرا بہاروں کی نزہتیں پیش کرتے ہیں۔ وادیاں فواکہ خیر ثابت ہورہی ہیں۔ رحمتِ عالم نے مدینہ پہنچ کر اسلامی عمارت کی بنیاد رکھی۔ یعنی مکّہ میں آدمی بنائے گئے تھے، یہاں ملّت بنادی گئی۔ مکّہ کے قطروں کو مدینے کے انصار سے ملاکر رحمت کا دریا بنادیا گیا۔ مکّہ میں اجاڑ رہ گئی اور بہارِ جاوداں کی آمد سے مدینہ میں چمنستان کھل اٹھے۔

مدینہ منوّرہ کے یہود

طلوعِ سحر ہو تو ہر طرف روشنی پھیل جاتی ہے لیکن مدینہ منوّرہ کے یہود کا عجب حال تھا۔ ل میں سب کچھ سمجھتے تھے۔ توریت اور دیگر آسمانی صحیفوں سے واقف تھے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ سرکارِ دوعالم سچے اور آخرالزماں پیغمبر ہیں لیکن حسد اور بغض کی وجہ سے ریشہ دوانیوں میں مصروف

رہتے۔ جہاں کمزور ہوتے، مسلمانوں کے سامنے گربہ مسکین کی صورت اختیار کر لیتے۔ جہاں طاقتور ہوتے تو شیر بن جاتے۔ یعنی قریش مکہ کو تو تکبر غرور اور برتری کی بیماری تھی اور مدینے کے یہود کو کمتری کا روگ لگ گیا۔ وہاں براہ راست مقابلے ہوتے تھے اور یہاں پس پردہ تیر چلائے جاتے۔ اس وقت اسلامی حکومت کے سامنے تین بڑے بڑے مسائل تھے، مہاجرین کی بحالی، دشمنوں کی طرف سے حملہ کا خطرہ اور اس کا سد باب، دین اسلام کی ترویج۔ جب انصار و مہاجر یک جان دو قالب ہو گئے تو یہود نے اندرونی طور پر کفارِ مکہ سے ساز باز کر لی اور اقامت دین کی تحریک میں مشکلات پیدا کرتے رہے۔ یعنی ہر جگہ ہر موقع پر پانچویں کالم کا کردار ادا کرتے رہے۔

پانچواں کالم: صحابہؓ کبار رزقِ حلال کے لیے محنت مزدوری کرتے۔ بھوکے پیاسے رہ کر تحریک اسلام کی خدمت میں مصروف رہتے۔ جب کبھی اچانک ضرورت محسوس ہوتی تو یہود سے قرض لے کر گزر کرتے اور یہ یہود مشہور ساہوکار شائیلاک کی طرح ایک حبہ قرض پر کئی گنا سود وصول کرتے۔ مقروض مسلمانوں کی تذلیل کرتے۔ یہاں تک کہ پھٹے پرانے کپڑے بھی اتروا لیتے۔ گروہِ انصار و مہاجرین میں تفریق پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ انصار سے کہتے، تم کیوں ان مسافروں پر اس طرح بے دریغ خرچ کرتے ہو؟ اس طرح یہ لوگ نظامِ اسلام کے لیے پانچوں کالم ثابت ہوتے رہے۔

تحویل کعبہ 2ھ

ہجرت کے سترہ ماہ بعد حضور اکرم مسجد بنو سلمہ میں ظہر کی نماز ادا فرما رہے تھے کہ تحویل کعبہ کا حکم ملا۔ یہود عموماً مسلمانوں پر طعن کرتے کہ بیت المقدس تو ہمارا ہیکل ہے جس کی طرف مسلمان منہ کر کے نمازیں ادا کرتے ہیں۔ تازہ حکم سے مسلمانوں کے لیے حضرت ابراہیمؑ کا تعمیر کردہ بیت عتیق قبلہ بنا دیا گیا کہ ملت ابراہیمیؑ ایک الگ حزب اللہ ہے۔ اب کعبہ مسجد ہے اور تمام روئے زمین اس کا صحن۔ اب مسلمانوں کو دنیا بھر کی امامت اور خلافت کا منصب عطا ہوا۔ اب عدالت سے گھر تک، بازار سے میدانِ جنگ تک صبغۃ اللہ کا رنگ چھا گیا۔ حرام و حلال کی تمیز بخشی گئی۔ اخلاق سیرت و کردار، تہذیب و تمدن کے اصول بدل دیئے گئے۔

تحویل کعبہ میں یہ راز بھی تھا کہ مسلمان اور عیسائی و یہودی میں تمیز ہو سکے۔ مسلمانوں

قبلہ الگ ہو گیا کہ اسلام ایک مستقل اور کامل دین ہے۔ اس دین میں آفاقیت ہے۔ اب سرکارِ دوعالمؐ نے پہلا قانون اساسی وضع فرما کر رائج فرما دیا۔

عبداللہ بن اُبی

سورۂ منافقون میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے منافقین کے خدوخال بیان فرمائے ہیں۔

سرورِ کائناتؐ کے مدینہ تشریف لانے سے پیشتر رئیس الانصار عبداللہ بن اُبی کی رسم تاج پوشی ادا ہونے والی تھی کہ آپ تشریف لے آئے تو تمام اہل مدینہ حضورؐ کے عقیدت مند بن گئے۔ عبداللہ کو بے حد ملال ہوا۔ آدمی عقل مند اور معاملہ فہم تھا۔ بظاہر اسلام کا حلقہ بگوش ہونے کا اعتراف کر لیا، لیکن اندرونی طور پر مدینہ کے یہود اور کفارِ مکّہ کے ساتھ ساز باز میں مصروف رہتا۔ ان معاندین اسلام کے لیے بے شمار قبیح کارنامے ہیں۔ انہوں نے اُم المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ پر تہمت کے تیر پھینکے۔ مسجد ضرار بنائی۔ انصار کو بغاوت پر ابھارا۔ ہرقل کو مسلمانوں پر حملہ کے لیے اکسایا۔ جنگ تبوک کے موقع پر عقبےٰ کی گھاٹی سے حضورؐ کو گرانے کی کوشش کی۔ جنگ احد میں معاہدہ سے منحرف ہوئے۔ حضورؐ کی ذاتِ گرامی پر جادو کرائے۔ گوشت میں زہر ملایا۔ رات کے اندھیرے میں حملے کرائے، جس پر صحابہؓ رات بھر پہرہ دیتے اور سرکارِ دوعالمؐ کو اکیلا گھر سے باہر نہیں نکلنے دیتے تھے۔ آخر جبرئیلؑ تشریف لائے تو آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ میری حفاظت خود کرے گا۔

مکّہ مکرمہ سے حمیرہؓ (نعوذ باللہ) حضور اکرمؐ کے قتل کی نیت سے آیا لیکن آپؐ کا رخِ مبارک دیکھ کر ایمان سے بہرہ ور ہو گیا۔ طوافِ کعبہ میں فضالہ بُری نیت سے آپؐ کی طرف بڑھا۔ آپؐ نے دست مبارک اُس کے سینے پر رکھ دیا تو اُس کی کایا پلٹ گئی۔ عبداللہ بن سلام اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہوا، آپ کا رخ دیکھتے ہی پکار اٹھا، آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔

اسلام کا مقصد و مسلک انسان کی صلاح، اخلاق اور معاشرہ کی تعمیر ہے۔ اقامت دین کے لیے طاقت اور حکومت کی ضرورت ہوتی ہے یعنی اسلامی ریاست کا نظامِ حکومت سے وابستہ ہو تو یہ قافلہ رواں دواں رہ سکتا ہے۔

باب 12

جہاد

مسلمان بیرونی حملہ آوروں اور اندرونی خطرات سے خوف زدہ ہیں۔ کفارِ مکہ اور یہود کی ریشہ دوانیاں انتہا تک پہنچ چکی ہیں۔ ان تشویش ناک حالات کے باوجود مسلمان وحی الٰہی کے منتظر ہیں۔ اس وقت کسی طرف سے بھی حملہ ہوسکتا ہے جس کی مدافعت کرنا ضروری ہے۔ سرکارِ دوعالم تیرہ برس انتہائی مظلومیت کے ساتھ گزار چکے ہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صفر 2ھ میں اجازت ملی۔

اُذِنَ لِلّذین یُقاتلون بِانھُم ظلِمُو وَ اِنَّ اللّٰہ َعلیٰ نصرِھم لقدِیر۔

مسلمانوں کو بھی لڑنے کی اجازت ہے کہ ان پر ظلم کیا جارہا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی امداد پر قادر ہے۔

اب شہادت کے لیے دروازے کھل گئے۔ جنت سرفروشوں کی جگہ اور مقامِ عافیت ہے۔ مومن اپنا مال، املاک اللہ کی راہ میں لٹانے سے خوشنودی کا مستحق ہوتا ہے۔ جب خالق کون و مکاں کی طرف سے جہاد کی اجازت ملی اور سربکف مجاہدین کے لیے جنت کے باب وا ہوگئے، اس وقت سپہ سالارِ اسلامیاں خود رات بھر جاگ جاگ کر مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کرتے رہے۔ اہل مکہ کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لیے عبداللہؓ بن جحش کو 12 مسلمانوں کے ساتھ نخلہ کے مقام پر بھیج دیا گیا۔ اس موقع پر قریش کے چند لوگ شام سے سامانِ تجارت لے کر آ رہے تھے۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کردیا۔ قریش کا ایک آدمی عمر بن الحضری مارا گیا۔ دو گرفتار کر لیے گئے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے عبداللہؓ بن جحش سے باز پرس کی اور فرمایا:

''تمہیں صرف نگرانی کے لیے بھیجا گیا تھا۔''

اِدھر قریش پہلے ہی برہم تھے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس واقعہ کو حجت بنا لیا گیا اور مدینہ منوّرہ پر حملہ کے لیے تیار ہو گئے۔ جب ہادی اکبرؐ کو اطلاع ملی تو پیش آمدہ خطرات کو محسوس کرتے ہوئے حضور اکرمؐ اور صحابہؓ کی مسجد نبوی میں مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ صورتِ حالات سے نبٹنے کے لیے رائے طلب فرمائی گئی۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ صدیق نے مہاجرین کی طرف سے جانثاری کا اعلان کیا۔ ادھر انصار کی طرف سے سعدؓ بن عبادہ اور مقدادؓ نے عرض کیا:

''آپؐ فرمائیں تو ہم سمندر میں بھی کُود پڑیں گے۔ ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے جانیں قربان کر دیں گے۔''

اس پر رسولؐ اللہ کے عظیم صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنی زندگی کی تمام نیکیاں حضرت مقدادؓ کے ان الفاظ پر دینے کو تیار ہو گئے۔ (ابن اسحاق۔ ابن ہشام)

اُدھر مکہ میں کسی نے افواہ اڑائی کہ مسلمان شام سے آنے والے قافلے پر حملہ کرنے والے ہیں۔ قریش نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، بڑے طنطنے اور تکبر کے ساتھ ساتھ سامانِ جنگ سے لیس ایک ہزار افراد ہمراہ لے کر بدر کے مقام پر پہنچ گئے۔ بلاشبہ انہیں معلوم ہو گیا کہ شام کے قافلے کو مسلمانوں نے نہیں چھیڑا لیکن آتش مزاج قریش آمادۂ جنگ تھے۔

غزوۂ بدر

میدانِ بدر، مدینہ منورہ سے 80 میل دُور، خطِ استوا کے شمال میں 24 عرض بلد اور 37 طول بلد پر واقع ہے۔ اس میدان کے ایک گوشے میں ایک کنواں بدر کے نام سے مشہور تھا اور یہی بدر کی وجہ تسمیہ ہے۔

دانائے سبل حضرت ختم الرسلؐ نے اہل مکّہ کے اس اقدام پر 12 رمضان 2ھ شہر سے باہر آ کر اپنی مختصر جمعیت کا جائزہ لیا۔ شوقِ جہاد میں دو کم سن غازی بھی شامل ہونے پر مصر تھے۔ جب انہیں واپسی کے لیے فرمایا گیا تو رونے لگے۔ اس پر سالارِ عرب نے شوقِ جہاد دیکھ کر ان کو بھی شمولیت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ابولبابہؓ بن عبدالمنذر کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ اب حضورؐ

313 فدائیوں کی جماعت لے کر ناچار بدر کی طرف مدافعت کے لیے منزلیں طے کرتے بڑھے، جن میں 140 انصار اور بقایا مہاجرین تھے۔ اس موقع پر محافظ ناموسِ اسلامؐ نے دین کی سربلندی کے لیے زرہ زیب تن فرمائی۔ مسلمان مجاہد، نیم مسلح، نہتے، ناتواں، کمزور، بھوکے پیاسے، روزہ دار، دو گھوڑے، چند اونٹ اور کچھ تلواریں، سامانِ جنگ نہ ہونے کے برابر، پانی پر اغیار کا قبضہ، ریتلا میدان جس میں پاؤں دھنس دھنس جاتے۔ یعنی ع

فقر جنگاہ میں بے ساز ویراق آیا ہے

اور کفارِ مکہ کی تعداد ایک ہزار، پورا جنگ آزمودہ لاؤ لشکر، سو سواروں کا مسلح رسالہ، پوری رسد، ان عساکر قاہرہ کو دیکھ کر صحابی خبابؓ بن منذر نے رائے پیش کی کہ ہمیں چشمہ پر قبضہ کر لینا چاہیے جو حضورؐ نے منظور فرمائی۔ مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کے وعدۂ نصرت اور سید الکونینؐ کی معیّت پر بھروسا تھا۔ یکا یک اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے میدانِ بدر کو بارانِ رحمت سے نواز دیتے ہیں جس کے باعث گرد جم جاتی ہے، ہوا خوش گوار ہو جاتی ہے۔ مسلمان پانی کے گرد منڈیر بنا کر حوض بنا لیتے ہیں، وضو کرتے ہیں، نہاتے ہیں، مویشیوں کو پانی پلاتے ہیں اور تازہ دم ہو کر گہری نیند سو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کہ یہی بارش کفارِ مکہ کے لیے زحمت بن جاتی ہے۔ پانی کی وجہ سے میدان دلدل بن جاتا ہے، چلنا پھرنا محال ہو جاتا ہے۔ قرآنِ پاک، سورۂ انفال اور آل عمران اس واقعہ کا ذکر کرتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس بارش نے میدانِ بدر بلکہ عرب کا نقشہ بدل دیا۔ اگر بدر میں اس رات بارش نہ ہوتی تو شاید عرب کی تاریخ مختلف ہوتی۔ اسی طرح اگر واٹرلو کے میدان میں بارش نہ ہوتی تو شاید یورپ کی تاریخ اس نہج پر نہ رکھی جاتی۔ نپولین کو بارہ گھنٹے بارش کی وجہ سے زمین خشک ہونے کا انتظار کرنا پڑا۔ اس اثنا میں انگریزوں کو کمک پہنچ گئی اور نپولین کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ فرانس کا مؤرخ اس بارش کو بڑے دردناک الفاظ میں یاد کرتا ہے۔ اسی طرح کفارِ مکہ کے لیے بدر کی بارش شکست کا باعث بن گئی اور مسلمانوں کے لیے فتح و نصرت کی نوید۔ اس جنگ نے قریش کو قریش سے الگ کر دیا یعنی نسب ختم کر دیا اور نسبت باقی رکھی گئی۔ بالفاظِ صحیح خون جدا ہو گیا اور رُوح ایک ہو گئی اور صحیح بات یہ ہے کہ دنیا بھر کے مذاہب میں صرف اسلام ہی نے یہ ملّی شعور پیدا کیا ہے۔

حضور سرورِ کائنات رات بھر محویت کے عالم میں دونوں ہاتھ پھیلائے اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرتے رہے۔ نیز دعا کرتے رہے کہ اے مالکِ کون و مکاں نصرت و امداد کا وعدہ پورا فرما۔ کبھی سجدے میں گر جاتے اور بارگاہ خداوندی میں عرض فرما ہوتے کہ اے اللہ! یہ تیرے ناچیز بندے اگر آج کفار سے شکست کھا گئے تو دنیا میں حشر تک تیرا نام لیوا کوئی باقی نہ رہے گا۔ اس عالمِ استغراق میں چادرِ مبارک بھی شانوں سے گر جاتی۔

دوسرے دن فوجیں مقابل ہوئیں تو آپؐ نے مثلثی صف بندی فرمائی۔ ہر صف کو علیحدہ پرچم عطا فرمایا۔ آپ فنِ جنگ پر پورا عبور رکھتے تھے۔ عریش کے مقام پر کمان فرمائی۔ عرب عموماً دمِ شمشیر سے استفادہ کرتے ہیں کہ نوکِ شمشیر زیادہ مؤثر نہیں ہوتی۔

کفر اور اسلام ٹکراتے ہیں۔ جنگ انتہائی سخت مراحل میں داخل ہو جاتی ہے۔ باپ بیٹے کے مقابل اور بھائی سے بھائی ٹکرا رہا ہے۔ جب گھمسان کا رن پڑتا ہے تو حضورؐ ایک مٹھی بھر ریت اٹھا کر کفار کی طرف پھینکتے ہیں۔ وَمَا رمیتَ اِذ رمیتَ۔ حسب وعدہ اللہ تعالیٰ کی نصرت پہنچ جاتی ہے۔ نامور سردارانِ قریش کھیت رہتے ہیں۔ تائیدِ الٰہی سے حق غالب اور کفر مغلوب ہوتا ہے۔ قبل از جنگ جہاں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نام بہ نام مقتولوں کے نشان دیئے تھے، عتبہ، امیہ، ابوجہل وہیں ڈھیر ہوتے ہیں۔ باطل کو شکست فاش ہوتی ہے اور مسلمانوں کی فتح۔

شہدائے بدر

ع بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

1- حضرت عبیدہؓ بن الحارث	مہاجر
2- حضرت عمیرؓ بن ابی وقاص	مہاجر
3- حضرت ذوالشمالینؓ	مہاجر
4- حضرت عاقلؓ بن ابی بکر	مہاجر
5- حضرت مہجعؓ بن صالح	مہاجر
6- حضرت صفوانؓ بن بیضا	مہاجر

7- حضرت سعدؓ بن خیثمہ	انصاری
8- حضرت مبشرؓ بن منذر	انصاری
9- حضرت یزیدؓ بن حارث	انصاری
10- حضرت عمیرؓ بن الحمام	انصاری
11- حضرت رافعؓ بن معلیٰ	انصاری
12- حضرت حارثہؓ بن سراقہ	انصاری
13- حضرت ابن حارثؓ	انصاری
14- حضرت معوذؓ بن عزا	انصاری

جنگ میں چودہ مسلمان شہید ہوتے ہیں اور ستر قریشی ہلاک۔ شہدائے بدر کو بصد عزت و احترام دفن کر دیا گیا اور کفار کے لاشے ایک گڑھے میں ڈال دیئے گئے۔ قریباً 70 قریش گرفتار کر لیے گئے۔ ابو جہل کی لاش دیکھ کر حضور اکرمؐ نے فرمایا:

''یہ اُمت مسلمہ کا فرعون تھا۔''

اس میدان میں ریت کے پہاڑ ہیں جن کی ریت سموم و صرصر سے بھی نہیں اڑتی۔ البتہ ہوا کے زور سے اس پر لہریں بنی رہتی ہیں۔ شہداء کے مقابر کے اردگرد دیوار بنا دی گئی ہے لیکن مزارت کا نشان تک باقی نہیں ہے۔ ماحول دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ جنگ بدر حال ہی میں لڑی گئی ہے۔ اس میدان کی زمین کو اسلام کے سالارِ اعظم کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے۔ مزارت کے قریب ایک ٹیلے پر مسجد عریش تھی۔ دورانِ جنگ رسولؐ اللہ نے رات بھر یہیں قیام فرمایا تھا۔ تاج دارِ کون و مکاں کی قیادت میں تین دن قیام کے بعد لشکر اسلام مع مالِ غنیمت اور اسیرانِ جنگ مظفر و منصور مدینہ منورہ پہنچ جاتا ہے۔

غزوۂ بدر، اسلام اور کفر کے درمیان پہلا معرکہ حق و باطل تھا۔ اس جنگ سے کثیر التعداد کفارِ مکّہ کے دلوں پر مسلمانوں کا دبدبہ و رعب بیٹھ گیا۔ جب اسلام کے جانثاروں نے کفر کے غرور کو خاک میں ملا دیا تو اسلام کی ترویج کی راہیں کشادہ ہو گئیں۔ اب اسلامی ریاست کی بنیادیں استوار ہونے لگیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اس کامرانی کو اپنے خاص احسان سے تعبیر فرمایا ہے۔

معاندین اسلام اور ابولہب کا انجام

جنگ بدر میں عتبہ، شیبہ، ولید، حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور عبیدہؓ کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ دو کم سن مجاہدوں معوذؓ اور معاذؓ بن عزا کی تلواروں سے ایک بڑا دشمن اسلام ابوجہل کیفر کردار کو پہنچا۔ ابولہب، مکہ کا امیر تاجر تھا۔ اپنے خبث باطن کی وجہ سے رحمت عالمؐ کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ ابتدائے اسلام میں مکہ مکرمہ کی گلیوں میں سرورِ عالم کے پیچھے پیچھے پھرتا۔ پتھر مارتا تو اکثر آپؐ کی ایڑیاں زخمی ہو جاتیں۔ اپنی بدفطرت اور کمینہ پن کے باعث حضورؐ کے مکان میں گندگی پھینکتا۔ ربیعہؓ بن عبادؓ کی روایت ہے کہ ابولہب احول چشم اور لنگڑا بھی تھا اور آپ کا بدترین ہمسایہ تھا۔ اُس کی بیوی اُم جمیل، حضورؐ پاک کے مطہر جسم پر مٹی مٹھیاں بھر بھر پھینکتی، راستے میں کانٹے بچھا دیتی۔ ترنم سے ہجو یہ اشعار پڑھتی۔ رحمتؐ عالم عموماً خاموش رہتے۔ صبر سے کام لیتے۔ کبھی کبھی تنگ آ کر فرماتے:

''عبد مناف کے گھر والو! تم کیسے پڑوسی ہو؟''

یہ دونوں میاں بیوی بڑے بخیل زر پرست تھے۔ خانہ کعبہ میں جو سونے کے ہرن رکھے ہوئے تھے، وہ بھی چوری کر لیے۔ ان کا ایک بڑا بیٹا حضور اکرمؐ کی شان میں گستاخی کرنے کے نتیجے میں آپؐ کی پیش گوئی کے مطابق شام کے سفر میں تھا کہ اسے شیر نے پھاڑ کھایا۔ جنگ بدر میں ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی شامل ہوا تھا لیکن ابولہب نہیں گیا۔ بدر میں مشرکین کی شکست کے باعث مکہ ماتم کدہ بن گیا۔ ابولہب بھی بڑا رنجیدہ تھا۔ شکست کی خبر سُن کر سات دن کے بعد عدسہ کی بیماری میں مبتلا ہوا اور جلد ہی جہنم رسید ہو گیا۔ مرنے کے بعد سڑی ہوئی لاش سے اس قدر بدبو آتی تھی کہ اس کے بیٹے بھی پاس نہیں جاتے تھے۔ بُو سے تمام محلہ پریشان تھا۔ آخر چند حبشیوں نے اُجرت پر رسیوں سے گھسیٹ کر لاش کو ایک پہاڑ کی کھڈ میں پھینک دیا اور اُوپر پتھر اور مٹی ڈال دیئے۔ دوسری روایت کے مطابق، جس کمرے میں اُس کی موت ہوئی اُس کی چھت اس پر گر گئی اور وہی اُس کی قبر ثابت ہوئی۔

ابولہب کی بیوی کا انجام بھی بڑا عبرت ناک ہے۔ وہ کچھ لکڑیاں گٹھے کی صورت میں لا رہی تھی۔ گٹھے کی رسی اُس کے گلے میں پھنس گئی۔ دم گھٹ کر مر گئی۔ لیکن رحمتؐ عالم نے مدینہ منورہ میں اس کی بیٹی کو معاف کر دیا اور فتح مکہ کے موقع پر اُس کے دونوں بیٹوں کو بھی معافی مل گئی۔ قرآنِ پاک نے سورۂ لہب میں مذمت کر کے اُسے حشر تک مطعون کرنے کا جواز نکالا ہے۔ بعدازاں اس

کی بیٹی اور دو بیٹے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (ابن اسحاق)

اسیرانِ جنگ

اسیرانِ جنگ سے حسن سلوک کا قانون بھی سرچشمۂ رحمت کی مصالحانہ روش کا مرہون منت ہے۔ دشمنوں کے ساتھ بہترین سلوک کا جو تصور آپؐ نے پیش کیا، وہ دنیا کے بڑے بڑے فاتحین اور جرنیلوں کے ذہنوں میں نہیں آ سکا۔ فاتح خود بھوکے رہتے لیکن اسیروں کے خورد و نوش کا انتظام اور ضروریاتِ زندگی کا بطورِ خاص خیال رکھا جاتا۔ سہیل نامی قیدی بڑا باتونی تھا۔ حضورؐ اکرم کے خلاف زہر فشانی کرتا۔ موقع دیکھ کر فاروق اعظمؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ! اجازت ہو تو اس کے دو نچلے دانت اکھاڑ دیئے جائیں تا کہ اس کی آتش بیانی ختم ہو جائے۔"

سرکارِ دوؐ عالم نے فرمایا: "رسالت کے اعزاز کے باوجود، اگر کسی کا کوئی عضو بگاڑنے کی اجازت دوں گا تو اللہ تعالیٰ میرا بھی کوئی عضو بگاڑ دے گا۔"

بعض مال دار قیدیوں نے فدیہ دے کر رہائی حاصل کر لی اور کچھ نادار اسیر انصار و مہاجرین کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا کر آزاد ہو گئے۔ فاتح بدر مجسمۂ رحم و شفقت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ستائش میں مشغول ہیں۔ شکرانے کے نوافل میں پاؤں متورم ہو جاتے ہیں۔

حضرت رقیہؓ کا انتقال

حضور سرورؐ عالم نے فتح کے بعد تین دن تک بدر میں قیام فرمایا اور حضرت زیدؓ بن حارث کو فتح کی خوش خبری دے کر مدینہ منورہ بھیجا گیا۔ زیدؓ جب مدینہ پہنچے تو حضرت رقیہؓ، رسولؐ کی صاحب زادی کا جنازہ حضرت عثمانؓ اور دوسرے مسلمان بقیع میں دفن کر رہے تھے۔

مالِ غنیمت

واپسی ہوئی تو حضرا کے مقام پر پہنچ کر تمام مالِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم فرما دیا گیا۔ طیبہ

میں پہنچ کر اسیرانِ جنگ کو کپڑے عطا کیے گئے۔ حضرت عباسؓ بھی اسیر تھے۔ ان کا قد قدرے طویل تھا۔ مشہور منافق عبداللہ بن اُبی نے ان کو اپنی قمیص پہنا دی۔ ابی کے جنازہ پر آپؐ نے کفن دے کر اس کا معاوضہ ادا کر دیا۔ تمام اسیر رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ حضرت عباسؓ کے کراہنے کی آواز سن کر آپؐ بے تاب ہو گئے تو صحابہؓ نے زنداں کے اسیروں کی رسیاں ڈھیلی کر دیں۔

اسیرانِ جنگ میں سرورِ عالم کے داماد حضرت ابوالعاصؓ بھی شامل تھے۔ ان کے فدیہ کے لیے آپؐ کی صاحب زادی حضرت زینبؓ نے اپنا ہار بھیج دیا۔ یہ دیکھ کر حضور اکرمؐ آبدیدہ ہو گئے۔ صحابہؓ سے فرمایا: ''یہ ہار خدیجہؓ مرحومہ نے زینبؓ کو دیا تھا۔ اگر اجازت ہو تو ہار واپس کر دیا جائے۔''

اس طرح ابوالعاصؓ بھی رہا ہو گئے۔

حضرت فاطمہؓ کا نکاح

حضرت فاطمہؓ کی عمر مبارک 15 برس ہو چکی تھی۔ بصد احترام اُن کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کر دیا گیا۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے داماد جنگ بدر میں شہید ہو گئے۔ حضرت حفصہؓ کے متعلق حضرت عمرؓ فکر مند تھے۔ اس موقع پر حضرت حفصہؓ بھی اُم المومنین کے زمرہ میں تشریف لے آئیں۔ آپ کتابت کی ماہر تھیں۔ عہد عثمانؓ میں قرآنِ پاک کا نسخہ آپ کی تحویل میں رہتا تھا۔

ابوسفیان، ابولہب اور صفوان بن امیہ نے عمیرؓ بن وحب کو آنحضورؐ کے شہید کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ مدینہ پہنچا تو سرکارِ دو عالمؐ اپنے گھر میں اپنی چادر مبارک دھو رہے تھے۔ عمیرؓ نے کہا:

''آپ یہ کام خود کر رہے ہیں، کسی غلام یا کنیز کو فرما دیا ہوتا۔''

آپؐ نے فرمایا:

''چادر دھونے سے میری پیغمبری میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ تُو جس مقصد کے لیے آیا ہے، بیان کر۔''

اُس نے جواب دیا:

''میں اپنے بیٹے کا فدیہ ادا کرنے اور رہائی کے لیے آیا ہوں۔''

آپؐ نے فرمایا:

''نہیں! فدیہ ادا کرنے نہیں بلکہ مجھے شہید کرنے کے لیے آیا ہے۔''

آپؐ نے منصوبے کی پوری روئیداد بیان فرمائی۔ یہ سن کر عمیرؓ نے خنجر نکال کر آپؐ کے قدموں میں پھینک دیا اور کہا:

''اس منصوبہ کی بجز تین آدمیوں کے کسی کو خبر نہ تھی۔ آپؐ پیغمبر برحق ہیں۔ میں دین اسلام قبول کرتا ہوں۔''

غزوۂ بنی سلیم

اب اسلام کا سیاسی اثر ملک میں ارتقائی منازل طے کرنے لگا۔ اُدھر سرداران قریش بدر کی شکست کے بعد بپھر رہے تھے۔ بدر سے واپسی پر ایک ہفتہ ہی گزرا تھا تو معلوم ہوا کہ قریش پھر فساد پر آمادہ ہیں۔ یہ سن کر شاہِ لولاک بھی صحابہ کے ساتھ ماالکدر تک پہنچے لیکن حضورؐ کی آمد پر کفار کو میدان میں آنے کی جرأت نہ ہوسکی۔

جنگِ سویق

قریش، بدر میں شکست کے بعد جب مکّہ مکرمہ پہنچے تو ابوسفیان نے منت مانی کہ جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لوں گا، اپنے سر میں پانی نہیں ڈالوں گا۔ چنانچہ دو ماہ کے بعد ابوسفیان نے دوسوسواروں کے ہمراہ مدینہ منوّرہ پر حملہ کردیا۔ عریض کے مقام پر سوئے ہوئے ایک انصاری کو شہید کردیا گیا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی تو آنحضورؐ بھی میدان کی طرف بڑھے اور یہ میدان چھوڑ کر بھاگ اٹھا۔ راستے میں جاتے ہوئے بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ستو کی تھیلیاں جو رسد کے لیے ساتھ لایا تھا، پھینکتا گیا جو مسلمانوں نے اٹھالیں۔ اس وجہ تسمیہ سے غزوہ سویق مشہور ہے۔

اِدھر مدینہ منوّرہ کے یہود نے بھی سر اٹھایا۔ تمام معاہدے جو حضورؐ کے ساتھ تھے، ان سے منحرف ہوگئے تو مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کرلیا۔ 15 دن کے بعد یہود، مدینہ چھوڑ گئے۔

اِسی طرح اور بھی کئی سفر پیش آئے لیکن جنگ تک نوبت نہ پہنچ سکی، جن کو غزوہ بنی قینقاع، غزوہ بنی غطفان اور بحران کہا جاتا ہے۔

باب 13

غزوۂ اُحد (شوال 3ھ)

بدر میں شکست کے بعد ابوسفیان خفیہ خفیہ ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں کرتا رہا۔ تمام قریش اور دیگر قبائل آتش زیر پا تھے۔ حضرت عباسؓ نے جنگی تیاریوں کی خبر حضور اکرمؐ کی خدمت میں بھیج دی۔ قریش کی پیش قدمی کی خبر سُن کر آپؐ نے مسجد نبوی میں مجلس مشاورت طلب کی اور فرمایا:

''میں نے خواب میں گائیں اور بیل ذبح ہوتے دیکھے ہیں۔ نیز میری تلوار کو دندانے پڑ گئے ہیں۔''

مخبر صادقؐ نے ساتھ ہی تعبیر فرمائی کہ جنگ میں کچھ ہاشمی شہید ہونے کا احتمال ہے۔ ایک تجویز تھی کہ مدینہ میں رہ کر دفاع کیا جائے لیکن فیصلہ ہوا مدینہ کی حفاظت کے لیے میدان میں دشمن کا مقابلہ کیا جائے تاکہ دفاعی لائن قائم رہے۔ بعد میں کچھ صحابہؓ نے رائے بدلی لیکن الوالعزم پیغمبرؐ نے ہتھیار باندھ کر اتارنے سے انکار فرما دیا۔ زرہ زیب تن فرمائی۔ مدینہ میں ابن کلثوم کو امام مقرر فرمایا۔ جمعہ کی نماز ادا فرمائی اور زوالِ آفتاب کے بعد ایک ہزار کا لشکر لے کر احد کے دامن میں پڑاؤ کے ارادہ سے نکلے تاکہ لشکر اسلام عقب کی طرف سے محفوظ رہے۔ نیز قوت و شہامت کا مظاہرہ ہو۔ مدینہ منورہ سے تین کوس دُور شمالی جانب جبل احد ہے جو شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے۔ اس کے متعلق آپؐ نے فرمایا:

''احد جنت کے پہاڑوں میں سے ہے۔ یہ ہم سے محبت کرتا ہے، ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔''

اس پہاڑ کے پتھروں کو سرور کائنات کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے، نیز اس پر حضورؐ کا چہرہ مبارک کے خون کے قطرات محفوظ ہیں جو لوحِ محفوظ پر بھی ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔

شہر سے باہر نکل کر آپؐ نے لشکر کا جائزہ لیا تو مشہور منافق عبداللہ بن اُبی تین سو افراد ساتھ لے کر واپس ہو گیا کہ آپؐ نے میری رائے کی قدر نہیں کی۔ اس لیے میں جنگ میں شریک نہیں ہو سکتا۔ سالار اعظمؐ نے سات سو سپاہ کا جائزہ لیا تو کمزور، بوڑھے اور بچوں کو واپسی کا حکم فرمایا۔ رافع بن خدیج ابھی کم سن تھے۔ وہ آپؐ کے سامنے ایڑیاں اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ آپ کو اس نوعمر کی یہ ادا بہت پسند آئی۔ پاس ہی کم عمر سمرہؓ بھی کھڑا تھا۔ اُس نے عرض کیا:

''یا رسولؐ اللہ! میں رافع کو کشتی میں پچھاڑ سکتا ہوں۔''

آپؐ کے اشارے پر دو کم سن پہلوان آمنے سامنے ہوئے تو سمرہؓ واقع شہ زور نکلا۔ آپؐ نے دونوں کو شمولیت کی اجازت دے دی۔ آپؐ نے دونوں کو شمولیت کی اجازت دے دی۔ آپؐ نے میمنہ اور میسرہ کے لیے زبیرؓ اور منذرؓ کو رسالہ کا سالار اور حضرت حمزہؓ کو زرہ پوشوں کا سردار مقرر کیا۔ اپنا علم مصعبؓ بن عمیر، عبد مناف کے پوتے کو عطا کیا۔ اپنی تلوار ابو دجانہؓ کو عنایت فرمائی۔ ابو دجانہؓ تلوار اٹھا کر سینہ تان کر چلے تو فرمایا:

''یہ رفتار پسندیدہ نہیں لیکن جنگ میں جائز ہے۔''

آپ نے میدان میں پہنچ کر پچاس تیر اندازوں کو درّہ پر مقرر فرمایا۔ اس جگہ کو کسی حالت میں بھی خالی نہ چھوڑا جائے۔

مغربی مورخ لکھتے ہیں، اس مورچہ پر سپاہ مقرر کرنے سے دنیا کے بڑے بڑے جرنیل سپہ سالار اعظم کی حربی اور فنی پیش بندی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اس سے آپؐ کی عسکری قابلیت اور فوق الفطرت صلاحیت واستعداد بھی ظاہر ہوتی ہے۔ بلاشبہ آپ ایک عظیم فوجی قائد بھی تھے۔

ادھر قریش حملہ آوروں کا لشکر تین ہزار افراد پر مشتمل تھا جو اسلام کے قلعہ مدینہ منورہ پر یلغار کرنے کے ارادہ سے چلا تھا جن میں ایک سو زرہ پوش، دو سو گھوڑ سوار اور پندرہ قریش عورتیں بھی شامل تھیں۔ ابوسفیان جس کو بڑوں کی موت نے بڑا بنا دیا تھا، ان کا سپہ سالار تھا۔ اور صفوان بن امیہ نائب تھا۔ ان لوگوں نے جوشِ انتقام سے برانگیختہ ہو کر مدینہ کی شمالی جانب زغابہ کے مقام پر ڈیرے

ڈالے کہ اس جگہ پانی کی فراوانی اور مویشیوں کے لیے چارہ عام تھا۔

میدانِ احد میں مثلثی صف آرائی کے بعد حق و باطل آمنے سامنے ہوئے تو طلحہ مست ہاتھی کی طرف جھومتا ہوا نکلا اور کہا:

''ہے کوئی مسلمان جو مجھے جہنم رسید کرے یا خود بہشت کی سیر کرے۔''

اس پر شیر خدا حضرت علیؓ مرتضیٰ نے ایک ہی وار میں اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس کا بیٹا آگے بڑھا تو حضرت حمزہؓ کی تلوار نے اُس کو باپ کے ساتھ ڈھیر کر دیا۔ اب عام لڑائی شروع ہوگئی۔ مسلمانوں نے میمنہ اور میسرہ پر حملہ کر دیا۔ حضورؐ کی حکمت عملی کے مطابق لڑی گئی جنگ میں مسلمان خوش اسلوبی سے عہدہ برآ ہوئے اور پہلے مرحلہ میں دشمن کے قدم اکھڑ گئے۔ کفار کے 8 جھنڈا بردار اور 23 جوان کھیت رہے۔ بقیہ فوج بھاگ نکلی اور مطلع صاف ہوگیا۔

میدان خالی دیکھ کر مسلمان مالِ غنیمت سمیٹنے میں مصروف ہو گئے۔ درّہ پر عبداللہؓ بن جبیر سالار دستہ اور دس مجاہد رہ گئے۔ باقی آپؐ کے حکم کو پس پشت ڈال کر غنائم سمیٹنے میں مصروف ہو گئے۔ خالد بن ولید اور عکرمہ نے جب درّہ خالی دیکھا تو پلٹ کر اچانک حملہ کر دیا۔ دس مجاہد کب تک مقابلہ کرتے، مع سالار سب شہید ہو گئے۔ اس موقع پر کفار کی پوری طاقت مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی۔ صفیں درہم برہم ہوگئیں۔ مشرکین کا ہر طرف نرغہ تھا۔ خون آشام تلواریں چمک رہی تھیں۔ حضرت حمزہؓ نے جنگ بدر میں صنادید قریش کو تہ تیغ کیا تھا۔ اس لیے مشرکین آپؐ کے خون کے پیاسے تھے۔ چنانچہ ایک غلام وحشی کو آزادی کا لالچ دے کر اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ عمؐ رسول اللہ پر وار کرے۔ وحشی ایک چٹان کی گھات میں موقع کی تاک میں رہا۔ جب عمؐ رسول اللہ قریب سے گزرے تو اُس نے پیچھے سے حربہ اس زور سے پھینکا کہ آپ زخمی ہو کر گر گئے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ امداد کو پہنچے مگر جانثارِ نبوت شمع حقیقت پر نثار ہو چکا تھا۔ ہندہ نے خنجر سے سینہ مبارک چاک کر کے کلیجہ نکال کر چبا ڈالا۔ دیگر اعضا کا ہار بنا کر گلے میں ڈالا۔ اس وقت مشرکین نے افواہ اڑائی کہ نعوذ باللہ سرکارِ دوعالم بھی شہید ہو گئے ہیں۔ دراصل مصعبؓ بن عمیر علم بردار شہید ہوئے تھے۔ ان کی مشابہت کی وجہ سے یہ افواہ اڑائی گئی۔ مسلمان بہت سراسیمہ ہوئے لیکن مجاہدین اسلام کا ایک گروہ سالارِ اعظمؐ کے گرد حصار باندھے ہوئے تھا۔ اس پر کعب بن مالک انصاریؓ نے دُور سے آفتابِ

نبوت کو چمکتے دیکھا تو بلند آواز سے مسلمانوں کو بشارت دی۔

"یا معشر المسلمین البشر و ھذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم۔"

ساتھ ہی حضورؐ نے فرمایا:

"الا عباد اللہ انا رسول اللہ۔"

اس آواز کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ مسلمانوں کے حوصلے پھر بلند ہو گئے۔ اس پر کفار نے اپنی تمام قوت صرف کرنی شروع کر دی، جہاں رسول اکرمؐ چند جانثاروں کے جھرمٹ میں قیام فرما تھے۔ صحابہؓ پروانہ وار نثار ہو رہے تھے۔ ابو دجانہؓ اپنے جسم پر دشمنوں کے وار روک رہے تھے۔ سعدؓ بن ابی وقاص آپؐ سے تیر لے کر پھینک رہے تھے۔ حضرت طلحہؓ کفار کے تیر اپنے شانوں اور کمر پر روک رہے تھے۔ عجیب ابتری کا عالم تھا۔ ایک نابکار نے ذاتِ اقدس پر تلوار کا وار کیا جو حضرت طلحہؓ نے اپنے ہاتھ پر روکا تو دو انگلیاں شہید ہو گئیں۔ عبداللہ بن قمیہ کے وار سے آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا۔ دفعتاً عتبہ بن ابی وقاص نے ایک بڑا پتھر پھینکا جس کی ضرب سے سامنے کے دو دانت شہید ہو گئے۔ نیز مغفر کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں پیوست ہو گئیں۔ آپؐ اس ضرب کے صدمہ سے لڑکھڑائے لیکن حضرت علیؓ اور طلحہؓ نے آپ کو سنبھالا۔ اس مرحلہ پر آپ نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر دعا فرمائی۔

یا رب اغفر قومی فانھم لا یعلمون۔

اللہ اللہ! دشمن کے لیے بھی آقا کے ہونٹوں پر دعا کی خوشبو ہے۔ اب مسلمانوں کے قدم دوبارہ جم گئے۔ پہلے جنگ مدافعانہ تھی۔ مسلمانوں نے حضورؐ کو بلندی پر کھڑے دیکھ کر محبت میں نعرہ بلند کیا اور کفار پر حملہ آور ہوئے تو کفار نے راہِ فرار اختیار کی۔ ابوسفیان نے جاتے ہوئے ہبل کا نعرہ لگایا اور کہا:

''آئندہ سال پھر میدانِ بدر میں مقابلہ ہوگا۔''

ابو عبیدہؓ بن جراح نے اپنے دانتوں سے کھینچ کر حضورِ اکرمؐ کے رخسار سے لوہے کی کڑیاں نکالیں۔ خاتون جنت حضرت فاطمہؓ نے چٹائی جلا کر زخم پر رکھی تو خون بند ہوا۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ صدیق، حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت علیؓ، جناب طلحہؓ بن عبداللہ، زبیرؓ بن عوام، حارثؓ

بن حمہ بھی آپ کی معیت میں تھے۔ صحابہ کرام نے نازک سے نازک لمحات میں بھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

ساقی کوثرؐ اُس وقت پیاس محسوس فرما رہے تھے۔ لیکن پانی نایاب تھا۔ اس معرکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اطاعتِ امیر، ایمانِ محکم اور عزمِ راسخ ہی جزو کامرانی ہیں۔ دورانِ جنگ ذرا سی فروگزاشت بھی باعث شکست ہو سکتی ہے لیکن رسول اللہؐ کی قیادت اور صحابہؓ کی استقامت سے اللہ تعالیٰ نے شکست کو پھر فتح میں تبدیل کر دیا۔ یہ غزوہ جانثاری اور استقلال کا بے مثال کارنامہ ہے۔ دُنیا کا محسن اعظم نغمۂ لیس لِل انسان الاما سعیٰ میں محو ہے۔ اس جنگ میں آپ نے بیٹھ کر ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ آپؐ نے تین دن تک یہیں قیام فرمایا۔ اس جنگ کے متعلق قرآن پاک میں 60 آیات نازل ہوئیں۔ اس جنگ میں 70 صحابہؓ شہید ہوئے جن میں 64 انصار اور 6 مہاجر تھے۔ حضرت حمزہؓ اور دیگر تمام شہداء کو بصد ادب و احترام دفن کیا گیا۔

دنیا بھر کے ماہرین جنگ فتح اور شکست کی توضیح اس طرح کرتے ہیں کہ ایک قوم یا ملک کو شکست خوردہ قرار دینے سے پہلے دو شرائط ضروری ہیں:

1- دشمن مملکت پر قبضہ کر لے۔

2- مفتوح فوج کو گرفتار کر لے یا مفتوح کی فوجی قوت نابود کر دے۔

جنگ احد میں یہ دونوں شرائط پوری نہ ہو سکیں۔ قریش مکہ نہ مسلمانوں کی فوجی قوت ختم کر سکے نہ میدان جنگ یا شہر مدینہ پر قبضہ کر سکے۔ اس کے برعکس ابوسفیان اپنا مال اور لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ جب روحا کے مقام پر پہنچا تو سوچا کہ میں بازی جیت کر ہار آیا ہوں۔ آج ہی فیصلہ کن جنگ ہو جائے تو بہتر ہے۔ واپس ہونے لگا تو بنوخزاعہ کے رئیس نے بتایا کہ مسلمان تمہارے تعاقب میں آ رہے ہیں۔ یہ سن کر مکہ کی طرف بھاگا۔ ستر صحابہؓ نے آپؐ کے فرمان کے مطابق حفظ ماتقدم کے طور پر زخمی حالت میں آٹھ دس میل صحرائے اسد تک کفارِ مکہ کا تعاقب کیا۔ آنحضورؐ کی جنگی حکمت عملی میں یہ بات شامل تھی کہ دشمن کو شکست کے بعد اس قابل نہ چھوڑا جائے کہ دوبارہ مقابلہ پر آ سکے۔

جنگ اُحد کے ایک سال بعد شعبان 4 ھ سپہ سالارِ اعظمؐ میدانِ بدر میں تشریف لائے۔

پندرہ سو صحابہؓ ساتھ تھے۔ ادھر ابو سفیان بھی دو ہزار کا لشکر لے کر نکلا اور مرُا ظہران (وادیٔ فاطمہ) تک پہنچا۔ آپ ؐ کی جنگی حکمت عملی اور بے نظیر شجاعت دیکھ کر آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ آنحضورؐ نے 12 دن تک انتظار فرمایا۔ جب قریش مقابل میں نہ آئے تو واپس مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اس واقعہ سے احد کی اکھڑی ہوئی دھاک بیٹھ گئی۔ ع

رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

جانسپارانِ نبوت

ایثار جانسپاری کے بے مثال مجسمے حضرت انسؓ بن نضر کے جسم پر 80 زخم تھے۔ انگلی دیکھ کر ان کی لاش پہچانی گئی۔ شہید نے پہلے ہی کہا تھا کہ آج مجھے احد کی طرف سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔

حضرت عمارؓ بن زیاد زخموں کی وجہ سے جانکنی کی حالت میں تھے کہ رسولؐ اللہ اس کے بالیں تک پہنچ گئے۔ آپ نے فدائیٔ اسلام کی حالت دیکھ کر فرمایا:

''کوئی آرزو ہو تو کہو۔''

حضرت عمارؓ نے زخمی وجود گھسیٹ کر اپنا سر رسولؐ اللہ کے قدموں میں رکھ دیا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

منم و ہمیں تمنا کہ بوقت جاں سپردم
بہ رخ تو دیدہ باشم تو درونِ دیدہ باشی

مسلمان خاتون اُم عمارہؓ، خاتونِ احد کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ نے تلوار اٹھائی اور حضورؐ کے ڈھال بن گئیں۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ اور اُم سلیمؓ مجاہدین کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی رہیں۔ ادھر قریش کی عورتیں اپنی نمائش میں مصروف رہیں۔

بنو دینار کی ایک خاتون نے سنا کہ بھائی، خاوند اور باپ شہید ہو گئے ہیں تو پریشان ہوئی۔ جب سرورؐ عالم کی خیریت کی خبر سنی تو کہا:

ع وہ سلامت ہیں تو پھر ہیچ ہے سب رنج والم

ابی ابن خلف

اس ظالم نے جب دیکھا کہ حضور گھائی پر فروکش ہیں تو لانجوت ان نجوت کہتا ہوا آپ ﷺ کی طرف بڑھا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا، آنے دو۔ جب قریب پہنچا تو آپؐ نے حارث سے نیزہ لے کر کافر کی گردن کو کچوکا دیا۔ اس کا گھوڑا مع سوار کانپ اٹھا تو اپنے ساتھیوں میں جا کر واویلا کرنے لگا مجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل کر دیا ہے۔ ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں حضورؐ نے فرمایا تھا کہ تو میرے ہاتھوں قتل ہوگا۔ اسی حالت میں سرف کے مقام پر پہنچا تو مر گیا۔ یہ پہلا اور آخری آدمی ہے جو حضورؐ پاک کے ہاتھوں زخمی ہو کر مرا۔

3ھ میں ہی حضرت امام حسنؓ کی ولادت ہوئی اور حضرت عثمان غنیؓ کی شادی حضرت اُم کلثومؓ سے ہوئی۔

حضورؐ پاک کی تین تلواریں تھیں، جن کے نام ذوالفقار، ماثور اور بتار تھے۔ ایک زرہ تھی۔ دو علم تھے، ایک کا رنگ سفید، دوسرے کا سیاہ تھا۔ تیر کمان اور نیزہ بھی تھا۔ خود بھی زیب سر فرمایا۔ سواری کے لیے ایک اونٹنی کا نام قصوئی تھا اور دوسری کا عقبیٰ۔

باب 14

عاشقانِ رسولؐ (4ھ)

احد کے میدان سے فرار کے بعد ابوسفیان کو پھر کسی حملہ کی جرأت تو نہ ہو سکی مگر مسلمانوں کی دل آزاری کے پیشِ نظر کسی نہ کسی سازش میں مصروف رہا۔ اُس نے قریش قبیلہ عقیل وقار کے کچھ لوگوں کو آمادہ کیا کہ رسولؐ اللہ سے استدعا کرو کہ ہمارا قبیلہ مسلمان ہونا چاہتا ہے۔ آپؐ کچھ مبلغ ہمارے ہاں بھیج دیں۔ رسولؐ اللہ نے اُن کی باتوں پر اعتبار فرما کر دس مبلغ حضرت عاصمؓ کی امارت میں ان کے ساتھ کر دیئے۔ جب درویشوں کا یہ قافلہ رجیع مقام پر پہنچا تو دو سو سواروں نے ان نہتے بے گناہ مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ آٹھ شہید ہو گئے اور دو حضرات جناب خبیبؓ اور زیدؓ کو گرفتار کر کے مکہ لے گئے اور دشمنوں کے پاس فروخت کر دیا۔

جنگ احد میں حضرت خبیبؓ نے حارث کو قتل کر دیا تھا۔ اس لیے وہ حارث کے گھر بھوکے پیاسے قید تھے کہ حارث کی نواسی چھری ہاتھ میں لیے کھیلتی ہوئی آپ کے پاس آ گئی۔ آپ نے چھری پکڑ لی تو بچی کی ماں دیکھ کر گھبرائی۔ حضرت خبیبؓ نے فرمایا:

''مسلمان کسی معصوم کو قتل نہیں کیا کرتے۔''

حارث کے وارث آپ کو مقتل میں لے آئے تو مکہ کے لوگ تماشا دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔ رسم کے مطابق پوچھا:

''کوئی خواہش ہو تو کہو۔''

آپ نے شہادت سے پہلے دو رکعت نماز کی خواہش فرمائی۔ اجازت مل گئی، تو بعجلت نماز ختم کی۔ مبادا مشرک سمجھیں کہ موت سے ڈر کر نماز طویل کر رہا ہے۔ آپ نے دار کو بوسہ دیا کہ یہ

یک وقت چالیس نیزوں سے جسم مبارک چھلنی کر دیا گیا۔

حضرت زیدؓ کی شہادت کے لیے جلاد شمشیر بکف تھا کہ ابوسفیان نے طنزاً پوچھا:

''اگر تیری جگہ ابن عبداللہ ہوتا تو تیری جان بچ جاتی۔''

آپ نے جواب دیا:

میری سو جانیں رسولؐ اللہ پر قربان مگر یہ گوارا نہیں۔ ع

کہ اُن کے پاؤں کے تلوے میں اک کانٹا بھی چبھ جائے

کیا دُنیا بھر کے قائد آج تک ایسا ایک بھی مخلص فدا کار پیدا کر سکے......؟

فردہؓ بن عمرو

بلقاء کے گورنر تھے۔ یہ علاقہ قیصر کے زیرنگیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوئی۔ فردہؓ نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے ایلچی کے بدست کچھ تحائف رسولؐ اللہ کی خدمت اقدس میں ارسال کیے۔ آپؐ نے قبول فرما لیے۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ آمدہ سفیر کو انعام عطا فرمایا کرتے۔ اس ایلچی کو بھی 500 درہم عنایت فرمائے۔ قیصر کو جب خبر ملی کہ فردہؓ اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہو گئے ہیں تو اُن کو دربار میں بلایا۔ ترغیب و تحریص کے حربے استعمال کیے، دھمکایا، اسیری کا حکم بھی دیا لیکن جن خوش نصیب افراد کے دل میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور اکرمؐ کی رسالت کے جلوے کارفرما ہوں، وہ دنیا کے اعزاز اور صعوبتوں کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ جب فردہؓ کسی طرح بھی اسلام سے منحرف نہ ہوئے تو قیصر نے سزائے موت کا حکم دے دیا۔ عاشق رسولؐ جب دار پر پہنچا تو ایک شعر کہا، جس کا ترجمہ ہے کہ سرور کائنات کو میرا اسلام پہنچا دو کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں میرا خون، جسم و جان حاضر ہے۔

بئیر معونہ پر ستر صحابہؓ کی شہادت

مسلمان اسی طرح قربانیاں دیتے اور شمع رسالت پر نثار ہوتے رہے۔ ادھر مشرکین آتش زیرپا رہے۔ قبیلہ کلاب کا رئیس آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معروض ہوا:

''یارسول اللہ کچھ مبلغ بھیج دیجئے کہ قوم دین اسلام کی رحمت سے محروم نہ رہے۔''

آپؐ نے سوچ کر فرمایا:

''اس سے پیشتر مشرکین نے دھوکا دے کر کئی مسلمانوں کو شہید کر دیا ہے۔''

ابو براء نے کہا:

''میں ان کی جان و مال کا ضامن ٹھہرا۔''

یہ سُن کر آپؐ نے 70 انصار کا قافلہ دین کی اشاعت کے لیے بھیج دیا۔ جب یہ درویش بئیر معونہ پر پہنچے تو قبیلے کے سردار عامر نے غداری کی۔ سوئے ہوئے مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ صرف حضرت عمروؓ کو عامر نے چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔ مکّہ کے شہیدں اور بئیر معونہ کے شہداء کی رُوح فرسا خبریں بہ یک وقت دربارِ رسولؐ میں پہنچیں تو آپ دیر تک رنجیدہ خاطر رہے لیکن تقدیر مبرم کون بدل سکتا ہے۔

یہود کی سازش

حضرت عمروؓ کفار کی تیغوں سے زندہ بچ کر مدینہ منورّہ آ رہے تھے، راستے میں دو مسافروں کو غلط فہمی سے مخالف سمجھ کر قتل کر دیا۔ یہ مقتول حلیف قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انسانیت کے بہی خواہ تالیف قلوب اور خون بہا دینے کے لیے بہ نفس نفیس دوست قبیلہ بنو نصیر کے ہاں تشریف لے گئے۔ شرارت پسند عناصر نے سازش کی کہ امام المرسلین کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔ جب پیکر جود و سخا دروازہ سے نکلیں تو دیوار کی اوٹ سے ایک بڑا پتھر گرا دیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ خود رسولؐ اللہ کا محافظ تھا۔ وحیٔ ایزدی نے بروقت اپنے مقدس نبی کو یہود کی سازش سے آگاہ کر دیا اور والیٔ کون و مکاں حادثہ کی جگہ سے دامن بچا کر دوسرے دروازے سے گزر گئے۔ اس طرح سازشی ناکام و نامراد رہے۔

جنگ احد کے بعد یہود از سرِ نو سر اٹھانے لگے تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نئی شرارتیں کرتے۔ آپؐ کے ساتھ گستاخی سے پیش آتے لیکن پیغمبر اسلام کا حوصلہ اور ظرف کہ صبر و شکر کرتے اور خاموش رہتے۔

بنو قینقاع نے موقع پا کر ایک مسلمان خاتون کو سر بازار برہنہ کر دیا۔ ایک مسلمان یہ بے حرمتی برداشت نہ کر سکا۔ اس نے مفسد کو قتل کر دیا۔ اب یہود نے جمع ہو کر مسلمان کو شہید

کر دیا۔ اس پر عام لڑائی شروع ہو گئی۔ جب مسلمانوں کی قوتِ بے پناہ کی تاب نہ لا سکے تو عبداللہ بن اُبی کی وساطت سے ترکِ وطن کی اجازت طلب کی۔ درخواست قبول فرمالی گئی تو یہود کا یہ قبیلہ شام میں جا آباد ہوا۔ ان دنوں مدینہ منوّرہ میں یہود کے تین قبیلے تھے۔ ایک زراعت پیشہ، دوسرا زرگر اور تیسرا دباغ۔

بنونضیر کا محاصرہ

بنونضیر کا سردار کعب بن اشرف تھا، اس نے کمینہ پن کی حد کر دی تھی۔ عبداللہ بن اُبی کی منافقت اور بنو قریظہ کے تعاون کی وجہ سے شرارتیں کرتا۔ میدان میں مقابلہ کرنے کے قابل نہ تھا۔ آخر قلعہ بند ہو بیٹھا۔ محاصرہ کی شدت اور سختی سے تنگ آ کر بنی قینقاع کی تقلید میں ترکِ وطن کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔ انصار کی اولاد میں بعض لوگ یہودی مذہب کے پیروکار تھے۔ جب مدینہ منوّرہ سے رخصت ہونے لگے تو مطالبہ کیا کہ ہمارے ہم مذہب ہمارے ساتھ چلیں۔ مسلمان روک رہے تھے کہ قرآن پاک نے مشکل حل فرمادی۔ آیت نازل ہوئی:

لا اکراہ فی الدّین دین میں کوئی سختی نہیں۔

مسلمان اللہ تعالیٰ کے فرمان پر خاموش ہو گئے اور یہ لوگ خوشیاں مناتے خیبر جا بسے۔

انصارِ مدینہ کا ایثار

مہاجرین، مکّہ میں سب کچھ چھوڑ کر صرف اسلام سینہ سے لگائے مدینہ منوّرہ پہنچے تھے۔ ادھر انصار بھی ان کی میزبانی میں حد کمال تک پہنچ گئے تھے۔ مدینہ میں ہر روز نئے نئے مسائل پیش آرہے تھے۔ کبھی جنگ بدر اور کبھی غزوۂ احد، یہود سے الگ جھگڑے، منافقوں کی الگ ریشہ دوانیاں، ہر موقع پر انصار کھلے دل کا ثبوت فراہم کرتے رہے۔ جب بنونضیر کافی مال و متاع اور جائیدادیں چھوڑ گئے تو حضور اکرمؐ نے مسلمانوں کو فرمایا:

''اگر آپ لوگ چاہیں تو تمام مال و متاع مساوی حصہ میں تقسیم کر لیں۔ اگر ایثار سے کام لیں تو یہ جائیدادیں مہاجرین میں تقسیم کر دیں تا کہ یہ لوگ بھی اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کے قابل

ہو جائیں۔''

رسولؐ اللہ کا اشارۂ ابرو سمجھ کر انصار کی طرف سے سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ معروض ہوئے:

''یارسولؐ اللہ! یہ مال دولت ہمارے غریب الوطن مہاجرین بھائیوں میں بہ خوشی تقسیم فرما دیجئے۔''

یہ تھی صحابہؓ کی وہ جماعت جو ایک مہاجر نبیؐ کی تعلیم سے پیدا ہوئی جس کے ایثار و قربانی کی مثال تاریخ انسانی میں ناپید ہے۔ اس طرح وطنیت، قومیت اور نسلیت کے تمام اصنام منہدم کر دیئے گئے اور ملت محمدیہ کو ایک سلک مواخات میں پرو دیا گیا۔

سرورِ کائناتؐ وضو فرماتے تو صحابہؓ جسم مبارک سے وضو کا پانی زمین پر نہیں گرنے دیتے بلکہ اپنے ہاتھ بھگو کر جسم پر مل لیتے۔ حضرت انسؓ کی والدہ رشتہ میں سید الکونینؐ کی خالہ تھیں۔ آپؐ جب کبھی ان سے ملنے جاتے یا دوپہر کو آرام فرماتے تو اُم سلیمؓ جسم اطہر کا پسینہ مبارک پونچھ کر شیشی میں محفوظ کر لیتیں۔ ایک دفعہ آپؐ نے دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا:

''ہم آپؐ کا پسینہ بطور خوشبو استعمال کرتے ہیں۔''

4ھ میں حضرت امام حسینؓ کی ولادت ہوئی۔

باب 15

غزوۂ مریسیع (5ھ)

مدینہ منوّرہ کی فضاؤں سے نکل کر نور و نکہت کا قافلہ چہار سُو خوشبو پھیلانے لگا تو بعض قبائل بھی برسرِ پیکار ہونے لگے۔ سپہ سالارِ اعظمؐ ہر نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ جب بنی مصطلق کے سردار حارث نے بھی سر اٹھایا تو صحابہؓ حضور اکرمؐ کے فرمان کے مطابق اس کی سرکوبی کے لیے نکلے۔ میدانِ حرب و ضرب کی معمولی سی جھڑپ پر بنی مصطلق کی سپاہ پریشان ہوگئی۔ حارث کی دختر بھی گرفتار ہوئی تو اُس نے آپؐ سے نکاح کی درخواست کی۔ آپؐ نے تالیفِ قلوب کے لیے استدعا قبول فرمالی۔ اس ناتے کی وجہ سے سب اسیر رِہا ہوگئے اور اکثر نے اسلام قبول کرلیا۔ اب حضرت جویریہؓ اُم المومنین تھیں۔

واقعۂ افک

ہادیِ اکبرؐ جب کسی مہم پر نکلتے تو کسی ایک اُم المومنین کو بھی ہمراہ لے جاتے۔ اس دفعہ قرعہ حضرت عائشہؓ صدیقہ کے نام نکلا۔ پردہ کا حکم آچکا تھا۔ غزوہ مریسیع سے مجاہدین کا قافلہ واپس آرہا تھا۔ مدینہ منوّرہ سے ایک منزل پر رات کو قیام کیا گیا۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ رفعِ حاجت کے لیے اونٹ کے ہودہ سے باہر نکلیں۔ بے خبری میں قافلہ رختِ سفر باندھ کر عازمِ مدینہ ہوگیا۔ آپ کے پیچھے رہ جانے کا گمان بھی نہ گزرا۔ آپ پریشان وہیں بیٹھ گئیں۔ اسلامی فوج کا ایک رکن صفوانؓ بن معطل پیچھے آرہا تھا تاکہ قافلہ کی گری پڑی اشیا سنبھال سکے۔ اُم المومنینؓ اس کے ساتھ مدینہ پہنچ گئیں۔ ناموسِ اسلام کے دشمن عبداللہ بن اُبی نے مجسمۂ عفت و عصمت پر کیچڑ اچھالا۔ اس افتراء

اور بہتان طرازی سے چند مخلص بھی متاثر ہوئے۔صبر ورضا کے کوہسار پیغمبر آخرالزماںؐ ان کی نیش زنی سے رنجیدہ خاطر ہیں مگر خاموش۔ آخر ایک ماہ بعد رسالت کی بے چینی کا مداوا قدرت نے خود کیا۔قرآن کی چند آیات میں مریم صفت عائشہؓ صدیقہ کی بریت کا اعلان ہوا اور اُم المومنین نے بصد خلوص اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔

حلم وعفو

عبداللہ بن ابی کی نیش طرازیوں سے حضرت محمدؐ بن عبداللہ کئی برس پریشان رہے۔ غداری اور منافقت کے ثبوت مہیا ہیں۔کوئی شخص مسلمان ہوکر اگر امیر کی اطاعت اور نظامِ اسلام سے بغاوت کرے تو اس کی سازش وجہ مہاربت ومخاصمت باعث تعزیز ہوتی ہے لیکن رحمتؐ عالم، منافق عبداللہ بن اُبی پر ہاتھ نہیں اٹھاتے کہ تاریخ کے اوراق میں محمد ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بے داغ دامن پر ایک ساتھی کے قتل کا الزام عائد نہ ہو سکے۔ پھر اسی منافق کی موت پر کفن کے لیے اپنی چادر مبارک عطا فرمائی اور خود اسے قبر میں اتارا۔

نبوت کی شہادت

مشہور یہودی عالم عبداللہ بن سلام فخر موجودات کا چہرہ دیکھ کر پکار اٹھا، لَیسَ بِوجھکَ کذاب ،یعنی یہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں اور اسلام کے حلقہ بگوش ہوگیا۔

غزوۂ احزاب

بنونصیر، خیبر میں آباد ہو گئے لیکن بُری سرشت کے باعث نئی نئی شرارتوں پر آمادہ رہتے۔ انہوں نے اردگرد کے قبائل سے سازباز کی کہ کیوں نہ یک جان ہوکر مسلمانوں کو ختم کر دیا جائے۔ تمام قبیلے مع قریش، میدانِ احزاب میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ ان کی مجموعی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی۔ پیغمبر اعظمؐ کو خبر پہنچی۔ آپؐ نے مسلمانوں کو مسجد نبوی میں مشورہ کے لیے بلایا۔اس پر حضرت سلمان فارسیؓ نے عجمی طریق کے مطابق خندق کھودنے کی رائے پیش کی۔ مدینہ منورہ تین

اطراف سے محفوظ تھا۔ آپؐ نے یہ رائے پسند فرمائی اور کوہ سلع کی پشت سے لے کر قبا تک خندق کھودنے کے لیے نشان دہی فرمائی۔ نیز فرمایا کہ تمام زرعی پیداوار شہر کے اندر لے آئیں تاکہ اہل مدینہ استفادہ کر سکیں۔ اس رزم گہہ میں داعیٔ اسلام اور صحابہؓ کی کئی نمازیں بھی قضا ہو گئیں۔ یعنی جہاد کے فرض کو نماز کے فرض پر ترجیح دی گئی۔ جہاد اصل میں نماز کے ضبط و نظم کی ارتقائی صورت ہے۔ جہاد ملک وملت کی حفاظت کے لیے زندگی کا سرچشمہ اور نماز زندگی کی بزم گہہ فردوس۔ اس جنگ میں طریقہ دفاع سے استنباط فرمایا گیا۔ محافظِ ناموس اسلام بھی صحابہؓ کے ساتھ مل کر اپنے حصہ کی زمین کھود رہے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھیوں کی نگرانی بھی فرما رہے ہیں۔ تین دن کا فاقہ ہے۔ بھوک پیاس کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے ہیں۔ سامنے ایک چٹان آ جاتی ہے جو صحابہؓ سے نہیں ٹوٹتی۔ آپ اس مقام پر پہنچے۔ مولائے کُل جن کی ہمت کے سامنے پہاڑ نہ ٹھہر سکے، ایک چٹان سے کس طرح شکست قبول فرما لیتے۔ آپ کی ایک کاری ضرب سے چٹان کے ٹکڑے اڑ گئے۔ جب تک سنگ و آہن میں ٹکراؤ پیدا ہوا تو مخبر صادقؐ نے فارس، شام اور یمن کی فتح کا مژدہ سنایا۔ حضور اکرمؐ کی اسی خصوصیت کبریٰ کا نام رسالت ہے۔

میدان میں حق و باطل کا سامنا دیکھا تو منافقین مدینہ گھروں کی حفاظت کا بہانہ بنا کر الگ ہو گئے۔ ادھر یہود نے معاہدہ توڑ دیا اور کہا کہ ہم نہیں جانتے کس کے ساتھ کون سا معاہدہ۔ مسلمانوں کے لیے یہ کورا جواب ناقابل برداشت تھا۔ مجلس مشاورت میں تجویز ہوئی کہ بنو غطفان کی پیداوار کا تیسرا حصہ دے کر ساتھ ملا لیا جائے۔ اس وقت ایک انصار حضرت سعدؓ نے جواب دیا:

''یا رسول اللہؐ! اگر یہ وحی ایزدی ہے تو مجال انکار نہیں، ورنہ ہم نے بہ حالت کفر بھی ایک حبہ تک خراج نہیں دیا۔ جو کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا۔''

سپہ سالار اعظم کو یہ بہادرانہ جواب پسند آیا۔ ادھر دشمنانِ اسلام مدینہ کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ ان کو اپنی فوج اور کثرت پر بہت غرور تھا لیکن نواح میں جب خندق دیکھی تو ان کا منہ کھلا رہ گیا۔ خندق کا طول سوا تین میل اور چار گز گہرائی تھی۔ خندق تو عبور نہ کر سکے۔ مسلمانوں پر تیر برسانے شروع کر دیئے لیکن مجاہدین حضور اکرمؐ کی قیادت میں بے خوف وخطر ثابت قدم رہے۔ مسلمان مستورات کو حفاظت کے ساتھ قلعہ میں بھیج دیا گیا تھا۔ یہود نے جب دیکھا کہ مسلمان کارزار

خندق میں مصروف ہیں تو قلعہ کے دروازہ پر حملہ آور ہوئے سرورِ عالمؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی چوب نکال کر اس زور سے یہودی کے سر پر ماری کہ کھوپڑی پھٹ گئی۔ چکرا کر گرا تو اس کی گردن کاٹ کر سر قلعہ کے باہر پھینک دیا۔

آخر ایک دن عمرو نے اپنے گھوڑے کو مہمیز لگائی۔ خندق کے تنگ مقام سے پار آ گیا۔ میدان میں کھڑا ہو کر دعوتِ مبارزت دینے لگا۔ اِدھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ میدان میں نکلے تو حضورؐ نے فرمایا:

''علیؓ، یہ عمرو ہے۔''

حضرت علیؓ پیدل تھے۔ یہ سواری سے اترا اور وار کیا۔ حضرت علیؓ کی ڈھال میں اس کی تلوار گڑ گئی۔ جب شیرِ خدا حملہ آور ہوئے تو عمرو کا سینہ چر گیا اور ڈھیر ہو گیا۔ اسی طرح خبیر خزاعہ اور نوفل بھی آئے لیکن مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہو کر جہنم رسید ہوئے۔

جب محاصرہ نے طول کھینچا تو رسول اللہؐ کے طفیل خالق کائنات نے مسلمانوں کی ثابت قدمی اور مظلومیت پر غیب سے امداد فرمائی۔ ان دنوں مدینہ منورہ کا موسم سرد تھا۔ اندھیری رات میں برق و باراں کا طوفان اٹھا۔ اس موسم کی سختی کی وجہ سے کفار کے خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں۔ جب کہیں پناہ نہ ملی تو رات کے وقت اپنا سب کچھ چھوڑ کر بھاگے۔ میدان خالی ہو گیا۔ یہ محاصرہ 22 دن تک رہا۔ آخر اسلام کامیاب ہوا۔ دنیا کی تاریخ میں ایسے ایثار، تحمل اور تنظیم کی مثال بہت کم ملتی ہے۔

بنو قریظہ (5ھ)

جنگ احزاب میں کامرانی کے باعث اسلامیوں کی دھاک پھر بیٹھ گئی۔ کشور کشائے مدینہ ہنوز کارزارِ احزاب سے فارغ نہیں ہوئے کہ بنو قریظہ نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ یہ بنو نضیر کے سردار، مشہور دشمن اسلام ابن خطب کی انگیخت پر آمادہ پیکار تھے۔ بُرا پڑوسی بھی ایک مصیبت ہوتا ہے۔ اُن کی شرارتوں نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ آنحضورؐ نے مجبور ہو کر اسلامی عساکر کو بنو قریظہ کی سرکوبی کا حکم دیا۔ یہ میدان میں آ کر مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ صرف اپنی قلعہ بندیوں پر اترا رہے تھے۔ مسلمانوں نے محاصرہ کیا تو 25 دن کے بعد رسد کی کمی کے باعث صلح کی

درخواست کرنے لگے۔ ہادی اکبرؐ نے حضرت ابولبابہؓ کے ساتھ دو صحابہؓ کو اُن کی طرف بھیجا۔ آپ بڑے نرم دل اور رقیق القلب تھے۔ جب اُن کی حالت دیکھی اور محصور عورتیں اور بچے روتے دیکھے تو ان سے متاثر ہو کر آپ بھی آبدیدہ ہو گئے۔ محصورین نے قلعہ چھوڑ جانے کا اقرار کیا۔ آپ نے اپنے گلے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اشارہ کیا، ورنہ قتل ہو جاؤ گے۔ ساتھ ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ مسجد نبوی میں آ کر ایک ستون کے ساتھ زنجیر باندھ لی اور کہا:

''جب تک اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ مجھے معاف نہیں فرمائیں گے، میں آزاد نہیں ہوں گا۔''

چھٹے دن کے بعد وحی ایزدی نے آپ کی توبہ قبول ہونے کی بشارت دی تو رسولؐ اللہ نے اپنے دست مبارک سے اُن کی زنجیر کھولی۔ ادھر بنو قریظہ نے خود ہی اسلامی فوج کے زخمی جرنیل حضرت سعدؓ بن معاذ کو ثالث مقرر کیا۔ آپ قبیلہ اوس کے رئیس تھے۔ سالار اسلامیان چوں کہ خود زخم خوردہ تھے (تیر سے اکحل کی رگ کٹ گئی تھی جس کے باعث آخر آپ شہید ہو گئے)، آپ نے فتنہ کا سر کچلنے کا فیصلہ کیا۔ محصورین کی گردنیں اڑنے لگیں تو وہ اشد علی الکفار و رُحما بینھم کے مصداق ذاتِ اقدس کا سہارا تلاش کرنے لگے۔ ان میں جس نے رحمت عالمؐ کے حضور جاں بخشی کی درخواست کی، وہ جان کی امان پا گیا اور باقی اپنے منطقی انجام تک پہنچ گئے۔

باب 16

صلح حدیبیہ

وطن خواہ وادیٔ غیر ذی زرع ہی کیوں نہ ہو، اس کی یاد دل سے محو نہیں ہو سکتی۔ مکہ مذہبی لحاظ سے بین الملی شہر تھا۔ ہجرت کے بعد مسلمانوں کو غزوات سے اطمینان نصیب ہوا تو مکہ مکرمہ کی زیارت کے لیے دل تڑپنے لگے۔ حضرت بلالؓ جن کو ستم پیشہ لوگ گرم بالو پر لٹایا کرتے تھے، وہ بھی مکہ کے پہاڑوں کے نظاروں کے لیے ترس رہے تھے۔ سرکارِ دو عالم بھی طوافِ کعبہ کے لیے بے قرار تھے۔ فریضہ حج کا خیال بھی تھا۔ جب چھ برس گزر چکے تو نمازِ صبح کے بعد لقد صدق الله ورویا بالحق کی دل نواز نوید فردوس گوش ہوئی۔ آپ نے 6ھ ذیقعد میں عمرے کی نیت سے احرام باندھنے کا حکم دیا۔ 14 سو صحابہؓ جن میں مستورات اور بچے بھی شامل تھے۔ قربانی کے لیے اونٹ جن میں ایک اونٹ ابوجہل کا بھی شامل تھا جو جنگ بدر میں مالِ غنیمت میں ملا تھا۔ ہر اونٹ کی گردن میں افساری باندھی گئی۔ تلواریں میان میں رکھیں اور قافلہ کی صورت میں عازم مکہ ہوئے، جسے عرب سلیقہ کہتے ہیں، یعنی عدم جارحیت۔ راستہ میں مخبر نے خبر دی کہ قریش مکہ دیگر قبائل کو جنگ پر اکسا رہے ہیں۔ حملے کا خطرہ ہے۔ حضور اکرمؐ راستہ کاٹ کر جانے لگے تو دشمن کو معلوم ہو گیا۔ آپؐ نے ایک خشک بئیر کے کنارے قیام فرمایا۔ جب پانی کی قلت محسوس ہوئی تو اپنا تیر عطا فرمایا کہ کنویں میں گاڑ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور کنواں لبریز ہو گیا۔ آب کی ارزانی سے صحابہؓ نے غسل کیے، مویشیوں کو پانی پلایا۔ اب حضرت عثمان غنیؓ کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا گیا کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے، صرف زیارتِ کعبہ اور عمرہ ادا کرنے آئے ہیں۔ عثمانؓ جب مکہ پہنچے تو قریش نے آپ کو نظر بند کر لیا۔ افواہ اڑی کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ شہادت کی خبر نے خیمۂ خلافت میں ہلچل

ڈال دی۔ صحابہ سربکف میدان میں نکلنے لگے۔ پیکر صبر و رضا بھی مضطرب تھے۔ ببول کے درخت کی چھاؤں میں تمام اہل قافلہ نے آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی جو بیعت الرضوان کے نام سے مشہور ہے۔ شہادت کی خبر غلط نکلی۔ قریش نے عروہ کو آنحضورؐ کے ساتھ بات چیت کے لیے بھیجا۔ وہ صحابہؓ کی حضور اکرمؐ کے ساتھ وارفتگی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ واپس جا کر قریش سے کہا:

میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار دیکھے ہیں لیکن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دربار میں جو نظارہ کیا ہے، کہیں نہیں دیکھا۔ جب آپؐ وضو فرماتے ہیں تو صحابہؓ پانی زمین پر نہیں گرنے دیتے بلکہ اپنے جسم پر مل لیتے ہیں۔ اگر کوئی بال گرے تو بطور تبرک گرہ میں باندھ لیتے ہیں۔ ایسی جانثار جماعت کہیں دیکھنے میں نہیں آئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اُن کا مقصد جنگ نہیں۔ وہ صرف زیارت اور عمرہ کے لیے آئے ہیں۔

اب قریش نے سہیل بن عمرو کو صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں بھیجا۔ یہ بڑا زبان دراز، باتونی اور چالاک آدمی تھا۔ بات بات پر اڑ جاتا، معاہدہ قلم بند ہونے لگا تو **بسم اللہ الرحمن الرحیم** پر اعتراض کیا کہ **باسمک اللھم** لکھو۔ جب محمدؐ رسول اللہ لکھا گیا تو کہا:

''اگر ہم آپ کو رسول تسلیم کر لیں تو پھر جھگڑا ہی کس بات کا ہے صرف محمد ابن عبداللہ لکھو۔''

آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

''یہ لفظی نزاع چھوڑو۔'' اور رسولؐ اللہ کا لفظ خود قلم زن فرما دیا۔

اللہ اللہ...... ! محافظ ناموسِ اسلام صلح کی جزئیات کو سلجھانے میں مصروف ہیں۔ حق و باطل کے درمیان صلح کی دستاویز قرطاس و قلم کے فیصلہ کن مراحل میں داخل ہے۔ تلواروں کی خونی چھاؤں میں نہ جھکنے والا پیغمبر صلح کے محاذ پر بظاہر دبتا دکھائی دے رہا ہے۔ شرائط طے ہوئیں کہ اب کے مسلمان واپس مدینہ چلے جائیں۔

1- آئندہ برس آئیں اور مکہ مکرمہ میں صرف تین دن قیام کریں۔

2- تلواریں میان میں رہیں، میان کپڑے کے غلاف میں ملفوف ہوں۔

3- کوئی مسلمان مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ نہیں جا سکے گا۔ اگر کوئی مسلمان مکہ میں آ کر قیام کرنا چاہے تو رہے۔ مکّہ کا کوئی شخص مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے۔ اور اگر کوئی مسلمان مکّہ آ جائے تو واپس نہیں ہوگا۔ قبائل عرب پر اس معاہدہ کی کوئی پابندی نہیں ہوگی۔

معاہدہ ابھی تکمیل تک نہیں پہنچا تھا کہ سہیل کا لختِ جگر، ابو جندلؓ پا بہ زنجیر مکّہ سے بھاگ کر آنحضورؐ کے دامنِ عاطفت میں پناہ لینا چاہتا ہے۔ جسم کے زخم دکھا کر رحم کا تقاضا کرتا ہے، جس پر جانثارانِ رسول کا خون کھولنے لگتا ہے۔ جبینوں پر گہری شکنیں اُبھرتی ہیں۔ صحابہؓ غیرت اور حمیت سے کانپنے لگتے ہیں۔ قریب ہے کہ تلواریں بے نیام ہو جائیں۔ پیکرِ صبر و رضا پیغمبرؐ نے فرمایا:

''ابھی معاہدہ تکمیل کو نہیں پہنچا۔ ابو جندلؓ کو ہمارے حوالے کر دیا جائے۔''

سہیل کہتا ہے:

''پھر ہمیں یہ صلح نامہ منظور نہیں۔''

سرورِ دوعالمؐ نے کلیجے پر پتھر رکھ کر معاہدہ پر مہر ثبت فرما دی۔ ابو جندلؓ سے فرمایا:

''صبر و تحمل سے کام لو، ایفائے عہد مسلمان کا شیوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مظلوموں کے لیے جلد کوئی راستہ نکالے گا۔''

آنحضورؐ کا فرمان سُن کر رنجیدہ خاطر صحابہؓ کی تنی ہوئی نگاہیں جھک گئیں۔ دل برداشتہ ہونے کے باوجود محمد عربیؐ کے فرمان کو آویزہ گوش بنا لیا گیا۔ صحابہؓ چوں کہ حضور اکرمؐ ایسی سیاسی بصیرت و استعداد نہیں رکھتے تھے لیکن مخبر صادقؐ کی ژرف نگاہی پردۂ غیب پر دیکھ رہی تھی کہ یہ صلح فتح مبین ثابت ہوگی۔ بعد کے واقعات نے رسول اللہؐ کی فہم و فراست، حُسن تدبیر، دُور اندیشی اور سیاست میں اصابت رائے ہونے کی تصدیق کر دی۔ وحی ایزدی نے اس معاہدہ کو انا فتحنا لک فتحاً مبیناً کے الفاظ سے تعبیر کیا اور رسول اکرمؐ کی پیش گوئی قاطع اور سچی نکلی۔ آنحضورؐ کی اس مصالحانہ روش نے فتح مکّہ کا راستہ ہموار کر دیا۔ حدیبیہ پر صلح کا معاہدہ کر کے کفارِ مکّہ نے سرکارِ دوعالمؐ کی سربراہی اور مسلمانوں کو ایک طاقت تسلیم کر لیا۔ اس معاہدہ کے بعد آپؐ نے قربانی کے اونٹ ذبح فرمائے اور حلق کرایا اور مدینہ منوّرہ کا اقتصادی محاصرہ ٹوٹ گیا۔ اس موقع پر مکّہ مکرمہ میں خشک سالی کی وجہ سے قحط تھا۔ مکّہ کے لوگوں نے آنحضورؐ کی خدمت میں درخواست بھجوائی کہ قبیلہ یمامہ کو

حکم فرمایا جائے کہ وہ خوراک کی ترسیل نہ روکیں۔ آپ نے خوراک بھیجنے کا حکم صادر فرمایا اور ساتھ ہی 500 طلائی سکہ اپنی طرف سے مکّہ کے غربا کے لیے بھجوائے۔ بہت سی کھجوریں بھی بطور خوراک بھجوائیں جن کی قیمت چمڑے کی صورت میں ابوسفیان سے قبول فرمائی۔

عمرہ القضاء

ذیقعد 7ھ صلح حدیبیہ سے ایک سال بعد کملی والے آقا حسب معاہدہ احرام باندھ کر عمرہ کے لیے مکہ میں داخل ہو گئے۔ قریش نے سوچا کہ صحابہؓ کی جماعت کے ساتھ ہے، شاید کوئی تنازع ہو جائے۔ سب سردار دارالندوہ میں جمع ہو گئے۔ اُدھر آنحضورؐ نے احتیاطاً 100 سواروں کا دستہ محمد مسلمہ کی زیر قیادت منطقہ مرالظہر ان پر مقرر کیا اور ہدایت فرمائی کہ ضرورت کے وقت مکّہ مکرمہ پہنچ جانا۔ جب جانسپاران رسولؐ کی جماعت کعبہ کا طواف کرنے لگی، تو آنحضورؐ نے اضطباع اور رمل کا حکم صادر فرمایا۔ یہ سنت آج تک جاری وساری ہے۔

اس موقع پر حضرت میمونہؓ بنت حارث حبالہ نکاح میں آئیں۔ یہ حضرت عباسؓ کی نسبتی بہن تھیں۔ اس طرح مکّہ کے آٹھ معزز گھرانوں سے آپ کی قرابت داری ہو گئی جن میں خالدؓ بن ولید بھی شامل تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت میمونہؓ کے بھائی کے صاحب زادے تھے۔ اسی موقع پر نماز کے وقت مسلمانوں کا نظم وضبط دیکھ کر آپؓ ایمان لے آئے اور فرمایا کہ جھوٹا دین اس طرح کی تنظیم کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

دعوتِ اسلام

صلح حدیبیہ اور جنگ احزاب کے باعث تبلیغ عام کے باب کُھل گئے۔ داعی حق نے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

''میری بعثت تمام دنیا کے لیے ہوئی ہے۔ پہلے جتنے نبی یا مرسل مبعوث ہوئے، اُن کی تعلیم ملک، قوم اور قبیلوں تک محدود تھی لیکن اسلام کا پیغام عالمگیر ہے۔''

آپؐ نے تمام شاہانِ وقت کے نام خطوط اور سفیر، اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجے

جن میں فرمایا گیا تھا اسلام کے دامن عاطفت میں پناہ لے لو تا کہ دارین کی سرفرازی حاصل ہو۔ اس پر شاہ حبش نے اسلام قبول کر لیا۔ مصر کا حکم مقوقش تلطف سے پیش آیا۔ قیصر روم نے بڑے غور سے آپ کا مکتوب گرامی سنا۔ کجکلاہ ایران خسرو نے غرور و غضب کا مظاہرہ کیا اور حاکم غسان نے سفیر کو شہید کرا دیا لیکن اسلام تھوڑی سی مدت میں چار دانگ عالم میں پھیلنے لگا۔

ادھر اہل سلام کے سیرت و کردار سے متاثر ہو کر سیف اللہ حضرت خالدؓ بن ولید اور فاتح مصر حضرت عمروؓ بن العاص بھی اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ ابو جندلؓ اور دیگر مسلمانوں کی سیرت سے متاثر ہو کر اہل مکہ روز بہ روز مسلمان ہوتے گئے۔ ان کی تعداد تین سو تک پہنچ گئی۔ معاہدہ کی رو سے مسلمان مدینہ تو نہیں جا سکتے تھے لیکن مکہ سے نکل کر مقام عیص پر جمع ہونا شروع ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یہ مظلوم بھی ایک طاقت بن گئے جن کی وجہ سے قریش کے تجارتی قافلے خطرات محسوس کرنے لگے۔ آخر قریش نے خود ہی حالات سے تنگ آ کر معاہدہ کی آخری شق ساقط کر دی۔ اب ہر مسلمان مدینہ منورہ پہنچ کر حضور اکرمؐ کی قدم بوسی سے مشرف ہونے لگا۔

فتح خیبر

خیبر کا سردار سلام بن ابی، موت کی آغوش میں پہنچا اور اسیر نے مسند ریاست سنبھالی تو قبائل کو اکسایا کہ مدینہ پر حملہ کر دیا جائے۔ حالات دیکھ کر آنحضورؐ نے حضرت عبداللہ کو ایلچی بنا کر صلح کے لیے بھیجا۔ جب صلح کی ابتدائی شرائط طے کر لی گئیں تو اسیر نے آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ حضرت عبداللہؓ بروقت اس کی چال سمجھ گئے۔ آپ نے اسیر کو قتل کر دیا۔ اس پر یہود نے جوش میں آ کر حضرت ابوذرؓ کے صاحبزادے کو چراگاہ میں شہید کر دیا اور ان کی اہلیہ کو گرفتار کر لیا۔ سپہ سالار اعظم کو خبر پہنچی تو آپؐ نے 16 سو مجاہدین کا لشکر لے کر خیبر پر حملہ کر دیا۔ یہود قلعہ بند ہو گئے۔ بیس دن تک محاصرہ کیے رکھا لیکن قموص کا مضبوط قلعہ سر نہ ہو سکا۔ ایک شام سرورِ عالم نے فرمایا:

"صبح اس غازی کو علم عطا ہو گا جس کے ہاتھوں خیبر فتح ہونا ہے۔"

مجاہدین تمام رات محو دعا رہے لیکن صبح رسول اللہؐ نے شیر خداؓ کو طلب فرمایا۔ آپ آشوب چشم کی وجہ سے معذور ہو رہے تھے لیکن آنحضرتؐ نے آپ کو علم عطا فرمایا اور دعا فرمائی، نیز فرمایا کہ

پہلے نرمی سے اسلام پیش کرنا ہوگا۔ دوسری طرف سے یہود کا مشہور پہلوان رجز پڑھتا ہوا نکلا۔ اِدھر سے شیر خدا حضرت علیؓ مرتضٰی میدان میں آئے۔ سارے لشکر دم بخود ہو کر دیکھنے لگے۔ تلواریں چمکیں، ٹکرائیں۔ مرحب کی موت سر پر کھڑی مسکرا رہی تھی۔ حضرت علیؓ کی ذوالفقار، مرحب کی کھوپڑی چیر کر دانتوں تک اتر گئی۔ سردار کی موت پر یہود نے حضرت علیؓ کو گھیر لیا۔ لیکن گیدڑ، شیر خدا کا کیا مقابلہ کرتے۔ جب اُن کے سب سردار جہنم رسید ہو گئے تو بصد منت صلح پر آمادہ ہوئے۔ آخر اپنی پیداوار کا نصف بطور خراج دے کر صلح کر لی۔

باب 17

جنگِ موتہ، 8ھ

دنیا بھر کی تمام قوموں کا دستور ہے کہ کوئی حکومت سفراء پر ہاتھ نہیں اٹھاتی لیکن رسولؐ اللہ اور مسلمانوں پر کون سا ظلم و ستم ہے جو روا نہ رکھا گیا ہو۔ بصرہ کے حاکم شرجیل بن عمرو نے قیصر روم کی شہ پا کر اسلامی سفیر حضرت حارثؓ بن عمیر کو شہید کر دیا۔ آپ حضور اکرمؐ کا خط لے کر گئے تھے۔ ساتھ ہی جنگ کی دھمکی دی۔ دیارِ غیر میں سفیر کا قتل غداری ہے۔ غیرت منداور باحمیت دلاورانِ اسلام سفیر کا قتل اور جنگ کی دھمکی برداشت نہ کر سکے۔ حالات دیکھ کر خواجہ کونین نے اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے جس کے ساتھ اپنی پھوپھی زاد بہن بیاہی تھی، کو تین ہزار اسلامی سپاہ کی سرداری بخشی اور شام کی طرف روانگی کا حکم دیا۔ نیز فرمایا:

''اپنے والد محترم کی شہادت کا قصاص خود وصول کرو۔''

خدا کے فرستادہ نبیؐ نے جب ایک غلام کو ہاشمی و قریشی صحابہؓ کی آقائی عطا فرمائی تو کچھ سرگوشیاں ہوئیں۔ رسولؐ اللہ کے ابن عم حضرت جعفرؓ اور عبداللہؓ بن رواحہ جیسے سردار ماتحت تھے۔ کیا دنیا کی کوئی قوم یا حکومت مساوات کی ایسی ایک مثال بھی پیش کر سکتی ہے؟ زیدؓ کی سرداری دُنیا کی تاریخ کا روشن ترین باب ہے۔

ادھر حاکم غسان نے صحرائی قبائل کو ساتھ ملایا۔ ایک لاکھ سپاہ کا لشکر لے کر میدان میں آیا۔ حضرت زیدؓ نے فرمایا:

''دربارِ رسالت کو صورتِ حال سے آگاہ کرنا ضروری ہے کہ ہمارے مقابلے میں ایک لاکھ فوج ہے۔''

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے کہا:

''اگر جنگ میں فتح نہ ہو سکی تو شہادت کی سعادت تو ضرور نصیب ہو جائے گی۔''

یہ سُن کر حضرت زیدؓ نے مع علم نیزہ اٹھایا اور دشمن کی فوج میں گھس گئے۔ اسلام اور کفر یعنی شہباز اور مولے کا مقابلہ، حضرت زیدؓ کا سینہ دشمن کی برچھیوں سے چھد گیا۔ حضرت جعفرؓ آگے بڑھے اور علم سنبھالا۔ دشمن کے وار سے دونوں ہاتھ کٹ گئے تو علم سینہ سے لگا کر دانتوں کے سہارے بلند رکھا۔ جب ابو طالب کے لختِ جگر نے شہادت کا تاج پہن لیا تو عبداللہؓ بن رواحہ آگے بڑھے۔ سرداری کا نشان سنبھالا۔ دیرینہ تمنا کے مطابق جب جام شہادت نوش کر لیا تو سیف اللہ حضرت خالدؓ بن ولید نے جو ازل سے سپہ سالار تھے، جھپٹ کر علم اٹھالیا۔ شام کی تاریکی کے سبب فوجیں کسی فیصلہ کے بغیر الگ ہو گئیں۔ دوسری صبح پھر مقابلہ شروع ہوا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے ایسی ترتیب سے لشکر آراستہ کیا کہ میدان میں چند لمحوں بعد ایک نیا فوجی دستہ شامل ہوتا دکھائی دیتا۔ دشمن متعجب تھا کہ ہر لحظہ نئی کمک کہاں سے آ رہی ہے؟ آخر دشمن کی کمر ٹوٹی اور پسپا ہو کر راہِ فرار اختیار کر گیا۔ اس جنگ میں حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھ میں آٹھ تلواریں ٹوٹیں۔ حضرت جعفرؓ کے جسم پر 90 زخم تھے۔ مجاہدین نے مالِ غنیمت سنبھالا اور زندہ جاوید شہداء کے جنازے لے کر جب مدینہ منورہ پہنچے تو ایک کہرام مچا۔ حضرت زیدؓ کی صاحب زادی راستہ میں ملی تو رسالت مآبؐ اسے دیکھ کر نڈھال ہو گئے اور زیدؓ کی یاد میں دیر تک اشکبار رہے۔

فتح مکہ 8ھ (بمطابق 630ء)

مسلمانوں کی آنکھوں کا تارا اسلام کا پہلا مؤذن بلال حبشیؓ جس پر مکہ کی زمین تنگ تھی، اب وادیٔ ام القریٰ کی یاد میں بے تاب ہے۔ خود مہبط وحی والہام اور دیگر کبار صحابہؓ بھی طوافِ حرم اور زیارتِ بیت اللہ کے لیے بے چین ہیں کہ قبیلہ خزاعہ کا رئیس عمرو بن سالم سرورِ کائناتؐ کے حضور خدائے محمدؐ کی دہائی دیتا اور فریاد کرتا ہوا آیا کہ قریش کے اکسانے پر بنو بکر نے ہم پر حملہ کیا، ہم نے حرم میں پناہ لی۔ اُنہوں نے عربی روایات کو بالائے طاق رکھ کر ہمارے معصوم بچوں، کمزور اور ضعیف افراد کو قتل کر دیا۔ ہم صرف چالیس افراد بہ مشکل جانیں بچا کر آپؐ کے حضور فریادی ہیں۔

پیکرِ امن وسلام نے ماجرا سن کر قریش کو پیغام بھیجا کہ روز روز معاہدہ کی خلاف ورزیاں مناسب نہیں۔ بہتر ہے کہ مقتولوں کو خون بہا ادا کر دیا بنو بکر کی حمایت سے دست کش ہو جاؤ۔ قریش نے آپ کی سرزنش سنی اَن سنی کر دی۔ اظہارِ افسوس کی بجائے ایلچی سے کہا کہ معاہدہ صلح کالعدم سمجھو۔ ساتھ ہی جنگ کی دھمکی دی۔

یہ سُن کر ممدوحِ دو جہاں نے حلیف قبائل کو پیغام بھیجے اور مجاہدین اسلام کو تیاری کا حکم صادر فرمایا۔ ابوسفیان کی چھٹی حس نے خطرہ محسوس کر لیا اور تجدید معاہدہ کے لیے مدینہ منورہ پہنچا۔ سب سے پہلے حضرت ام حبیبہؓ اپنی صاحب زادی کے گھر پہنچا۔ چار پائی پر بیٹھنا چاہتا تھا کہ اُمِ المومنینؓ نے فرمایا:

''آپ حضورؐ کے بستر پر نہ بیٹھیں۔''

اور بستر لپیٹ دیا، یہاں سے مایوس ہو کر حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن کسی نے بھی منہ نہ لگایا۔ ابوسفیان نے اپنی طرف سے معاہدہ کی تجدید کا اعلان کر دیا لیکن آنحضورؐ نے تصدیق نہ فرمائی۔ اس پر واپس مکّہ چلا گیا اور فریقین جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہونے لگے۔

آخر 10 رمضان 8ھ بروز شنبہ نماز صبح کے بعد سرورِ عالم نے دس ہزار قدسیوں کی جماعت لے کر فاران کی طرف کوچ کا حکم دیا۔ ادھر قریش بھی سوچ رہے تھے کہ محمدؐ کا مذہب الگ سہی لیکن یہ کیا عقل مندی ہے کہ روز روز جنگ کے مصائب میں مبتلا رہا جائے۔

جناب حاطبؓ نے آپؐ کی تیاری دیکھ کر قریش کو اطلاع دینے کے لیے ایک خط سارہ نامی عورت کو دیا۔ وحی ایزدی نے آپ کو مطلع کر دیا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ اور زبیرؓ بن عوام کو عورت کے تعاقب میں بھیجا۔ انہوں نے خط برآمد کر لیا جو اُس نے اپنے بالوں میں چھپا رکھا تھا۔

ادھر حضور اکرمؐ اپنے لشکر جرار کے ساتھ وادی اُم القریٰ کے قرب وجوار میں پہنچ گئے اور مرالظہر ان میں نزول اجلال فرمایا۔ قیام کی رات حکم فرمایا کہ ہر غازی اپنی الگ آگ جلا کر کھانا تیار کرے۔ جب دس ہزار جگہ آگ روشن ہوئی تو تمام صحرا گلنار بن گیا۔ ابوسفیان جاسوسی کے لیے وہاں بھی پہنچ گیا تو دُرِ یتیم کی فوج اور جلال دیکھ کر گھبرایا۔ مکّہ کی طرف بڑھا کہ حضرت عباسؓ اپنے

اہل کے ساتھ مدینہ منوّرہ جانے کے لیے نکلے تو جحفہ کے مقام پر لشکر اسلام اور حضورؐ کے ساتھ ملاقات ہوگئی۔ حضرت عباسؓ معروض ہوئے:

''یا رسولؐ اللہ! اگر اہل مکہ امان طلب کریں تو آپؐ درگزر فرمائیں گے؟ اس طرح بنو ہاشم بھی محفوظ رہیں گے۔''

پیغمبر امن و سلامؐ نے یہ بات بہت پسند فرمائی۔ حضرت عباسؓ، مکّہ کی طرف واپس ہوئے کہ خونریزی نہ ہو۔ راستہ میں ابوسفیان اور بدیل بن ورقہ گفتگو کر رہے تھے۔ آپ نے آواز پہچان کر کہا: ''آنحضورؐ کی فوج مکہ فتح کرنے کے لیے تیار کھڑی ہے۔ میرے ساتھ آ اور امان طلب کر۔''

چنانچہ آپ ابوسفیان کو ساتھ لے کر حضور اکرمؐ کی خدمت میں پیش ہونے جا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے پہچان کر تلوار سونت لی۔ لیکن عباسؓ آڑے آئے۔ موقع شناس ابوسفیان نے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اس آواز پر تلواریں میان میں چلی گئیں۔ سرکار دوعالمؐ نے احتیاط سے کام لیتے ہوئے ابوسفیان کو ایک گھاٹی پر کھڑا کر دیا۔ تمام مسلح فوج سامنے سے گزری جس میں بنوسلیم مزینہ، بنوغفار، تمیم قیس اور اسد کے قبائل شامل تھے۔ مسلح مسلمان، مکّہ مکرمہ کی طرف بڑھنے لگے۔ سالار اعظمؐ صاحب خلق عظیم کی دلی خواہش تھی کہ بغیر ایک قطرہ خون بہائے مکّہ میں داخل ہو جائیں لیکن دشمن نے شرارت سے حضرت خالدؓ بن ولید کے دستہ پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ یہ لیط مکّہ کی جنوبی طرف سے داخل ہو رہے تھے۔ کچھ مسلمان زخمی اور دو شہید ہو گئے۔ سیف اللہ کے حملہ سے تیرہ قریش قتل ہوئے لیکن امن پسند آقا نے پھر بھی عام حملہ کا حکم نہیں دیا۔ رفتہ رفتہ اسلامی فوج پھریرے اڑاتی شہر میں داخل ہوگئی۔ حضور اکرمؐ نے ہدایت فرمائی، جو ہتھیار رکھ دے اس سے تعرض نہ کیا جائے۔ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ جو حرم میں، ابوسفیان اور حکیم حزام کے گھر میں داخل ہو جائے، اُسے امان میں سمجھا جائے۔ مسلمان فوج مختلف راستوں سے شہر میں داخل ہوئی۔ فاتح مکّہ سرور کائناتؐ اونٹنی پر سوار، سراپا انکسار تھے، آپؐ کی ریش مبارک اونٹ کے کجاوے کو چھو رہی تھی۔ اسامہؓ بن زیدؓ ہمراہ تھے۔ کبار صحابہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ جلو میں قدم قدم چل رہے تھے۔ آپؐ جنت المعلیٰ اذاخر کی طرف شہر میں داخل ہوئے۔ برگزیدہ نبی کی دمکتی ہوئی

پیشانی شاہانہ جلال سے چمک رہی ہے۔ انوارِ الٰہی کی بارش ہے کہ راستہ میں ایک ضعیفہ بڑی سراسیمہ حالت میں کھڑی کانپ رہی ہے، اسے دیکھ کر آپؐ ناقہ سے اُترے اور فرمایا:

''مجھ سے نہ ڈر! میں تو اس عفیفہ کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔''

دریں اثناء آپ حدودِ حرم میں پہنچ گئے۔ سردارانِ قریش جو عمر بھر آقائے نامدارؐ کے خون کے پیاسے رہے، تمام عمر گزند پہنچاتے رہے، شرمندہ و خجل رحمت عالمؐ کے حضور کھڑے ہیں۔ مولائے شش جہات نے فرمایا:

''آپ لوگوں سے کیا سلوک کیا جائے؟''

قریش نے جواب دیا:

''آپ شریف، کریم ابن کریم ...... بردبار، صلہ رحمی کرنے والے اور شریف زادے ہمارے برادر ہیں۔ آپ کا دل تمام کدورتوں اور مخاصموں سے پاک ہے۔''

حضور اکرمؐ قریبی عزیزوں، برادر زادوں کی عاجزی اور مسکینی دیکھ کر خود بھی آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:

''لاتثریب علیکم الیوم۔ آج تم سے کوئی بدلہ نہیں لیا جائے گا۔''

ذی طویٰ کے مقام پر پہنچ کر آپؐ نے غسل فرمایا۔ آپؐ باہتھیار سفید ناقہ پر سوار تھے۔ سر پر عمامہ یمنی سُرخ چادر کا اور خود بھی زیب سر تھا۔ علم نبوی مقام حجون پر نصب فرمایا۔ یہ مکہ کا بالائی مقام ہے۔ جھنڈے کا رنگ سفید۔ ہاتھ میں چھڑی۔ حرم شریف میں پہنچ کر طواف فرمایا۔ اپنے مجن (چھڑی) سے حجر اسود کو بوسہ دیا اور کعبہ میں داخل ہو گئے۔ اسی لکڑی سے بتوں کو پاش پاش کیا جو آپ کے اشارے سے خود بخود گر رہے تھے اور نفل ادا کیے۔ آپ کی پشت کعبہ کے دروازہ کی طرف تھی۔ ظہر کے وقت حضرت بلالؓ نے اذان پڑھی۔ کعبہ کے اندر ملائکہ اور حضرت ابراہیمؑ کی تصاویر تھیں جو مٹادی گئیں۔ آپؐ کے ساتھ حضرت علیؓ، حضرت بلالؓ، عثمانؓ بن زید اور عثمانؓ بن طلحہ بھی کعبہ میں داخل ہوئے۔

ہجرت سے قبل آپؐ عثمان بن طلحہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:

''کلید کعبہ تمہارے پاس ہے۔ دروازہ کھول دو، میں زیارت کرنا چاہتا ہوں۔''

ابن طلحہ نے انکار کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا:

''عثمان! وہ دن آنے والا ہے کہ کلید میرے اختیار میں ہوگی۔''

فتح مکہ کے دن وہ پیش گوئی پوری ہوئی۔ وہی عثمان، آقائے نامدار کے سامنے انفعالی کیفیت میں سر جھکائے کھڑا تھا اور کلید آنحضورؐ کے دست مبارک میں تھی۔ صحابہؓ منتظر تھے۔ اللہ اللہ! یہ خلق عظیم کہ کلید پھر عثمانؓ کے سپرد کر دی اور فرمایا:

''یہ اعزاز حشر تک تمہارے خاندان میں رہے گا۔ کسی خلیفہ، کسی وقت کے حاکم کو جرأت نہ ہوگی کہ اس فرمان کی سرتابی کر سکے یا کلید اپنی تحویل میں لے سکے۔''

اب عام معافی کا اعلان کیا گیا تو مہاجرین معروض ہوئے:

''یا رسول اللہ! ہماری املاک واپس دلائی جائیں۔''

حکم ہوا: ''فاتحین اپنے مفتوحین کو معاف کر دیں۔''

یہ رواداری، یہ حلم و عفو دیکھ کر بے شمار کفار ایمان لے آئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے والد ابوقحافہ کو پیش کیا۔ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ قریش کے 16 آدمیوں پر تعزیر عائد ہوئی جس میں سے تیرہ افراد کو معاف کر دیا گیا۔ صرف تین غداروں کو سزائے موت کا حکم ہوا۔ حضورؐ اپنے قدیم مکان میں قیام پذیر رہے اور 15 دن مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔ نمازیں قصر ادا فرمائیں۔ 20 رمضان 8ھ بمطابق 11 جنوری 629ء کو مکہ فتح ہوا۔

آج انا جیل کی پیش گوئی پوری ہوگئی کہ خداوند قدوس دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاران پر طلوع ہوگا۔ آپ صفا پر تشریف لے گئے۔ صحابہؓ اور مستورات کو بیعت فرمایا۔ (محمد بن شہاب زہری) رؤسائے قریش کو بیس برس پہلے کا واقعہ یاد ہوگا، جب صفا پر کھڑے ہو کر آپؐ نے فرمایا تھا کہ اس پہاڑ کے عقب میں ایک بڑا لشکر کھڑا ہے۔ اگر تم ایمان سے بہرہ ور نہ ہوئے تو عذاب نازل ہوگا۔

دین اسلام غالب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ رسولؐ کو مظفر و فتح مند فرمایا۔ اب زندگی کے تمام ژولیدہ مسائل اور پیچیدہ الجھاؤ سلجھنے لگے۔ اس سال حضرت ابراہیمؓ نے بہ عمر ڈیڑھ سال وفات پائی۔ اور حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا۔

باب 18

غزوہ حنین، 8ھ

فتح مکّہ کے بعد سرورِ کائناتؐ نے مدینہ منورہ کی طرف مراجعت کا ارادہ فرمایا۔ عبداللہ بن ربیعہ، ابوجہل کے سوتیلے بھائی سے آپؐ نے کئی ہزار درہم قرض لیا۔ صفوان بن امیہ سے 100 زرہیں لیں اور 6 شوال 8ھ کو دس ہزار اسلامی عساکر اور دو ہزار مکّہ کے افراد بہ صورت جمیعت حنین کی طرف روانہ ہوئے۔

ادھر ہوازن اور ثقیف نے سنا کہ مکّہ فتح ہو گیا ہے تو بہت تلملائے کہ کیوں نہ مسلمانوں سے ہم بھی دو ہاتھ کر لیں۔ اگر جیت گئے تو سارے عرب میں ہمارے دھاک بیٹھ جائے گی ورنہ خیر۔ مالک بن عوف اور درید بن صمہ کو سردار مقرر کیا۔ درید بوڑھا، تجربہ کار، سرد و گرم چشیدہ اور فن حرب کا ماہر تھا۔ اُس نے جنگی حکمت عملی کے تحت اوطاس کی تنگ گھاٹی پر سامانِ جنگ سے لیس فوج کو کمین گاہوں میں چھپا دیا اور مسلمانوں کا انتظار کرنے لگے۔

ادھر مسلمان فتح مکّہ کے اثرات سے سرشار، بے خبر، کچھ نو مسلم، کچھ غیر مسلم بہ صورت قافلہ جا رہے تھے۔ جب ان کی زد میں آئے تو قبائل نے تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ حملہ اس قدر شدید تھا کہ مسلمانوں میں ابتری پھیل گئی۔ صرف چند مہاجرین اور انصار کی جمیعت اور پیغمبر عزم و استقلال اپنے مرکز پر قائم رہ گئے۔ اس وقت ہادی اکبرؐ نے پُر جلال آواز میں فرمایا:

"یامعشر الانصار ان النبی لا کذب۔"

حضورِ انور کی صوت جاں نواز سُن کر شمع نبوت کے پروانے یک جا ہونا شروع ہو گئے۔ آناً فاناً جنگ کا نقشہ تبدیل ہو گیا۔ بھاگتے ہوئے مسلمانوں نے مڑ کر شدید حملہ کیا، تلواریں بجلی کی

طرح چمکنے لگیں اور حریف کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ جب بنو مالک کا علم بردار عثمان بن عبداللہ قتل ہوا، تو دشمن حواس باختہ ہو گیا۔

میدانِ جنگ میں نماز

نماز کا وقت ہوا تو امام الانبیاء نے اذان کا حکم فرمایا۔ صفیں درست ہوئیں، نصف مجاہد حضورؐ کی اقامت میں نماز ادا کرنے لگے اور نصف غازی مشرکین کے خاتمہ میں مصروف رہے۔ پھر مقتدی بدل گئے لیکن امام المرسلینؐ مصلے پر قیام فرما رہے۔ اب بقایا مجاہد نماز کے لیے صف آراء ہو گئے اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا امام میدانِ جنگ میں بھی محو تسبیح و تہلیل ہے۔

آخر دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا سکے ہوازن ثقیف کے اور دیگر قبائل بھاگ نکلے۔ میدان میں مال واسباب کے علاوہ بکریاں، بھیڑیں، اونٹ، عورتیں اور چھ ہزار قیدی چھوڑ کر کچھ اوطاس میں اور بقایا طائف میں قلعہ بند ہو گئے۔ تعاقب کرتے ہوئے اسلامی فوج نے محاصرہ کر لیا، جو بیس دن تک جاری رہا۔ قلعہ شکن آلاتِ منجنیق سے سنگ باری بھی کی گئی۔ آخر آپؐ کے حکم پر محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ اسی جگہ مسجد تعمیر کی گئی جو آج تک موجود ہے۔ مالِ غنیمت سنبھالا گیا۔

ہوازن اور عفو عام

رحمتہ اللعالمینؐ کی بخشش وعفو کی شہرت عام تھی۔ اس قبیلہ کے سردار اسیروں کی رہائی کے لیے معروض ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا۔

''نمازِ ظہر کے وقت درخواست کرنا۔''

ان کی استدعا پر آپؐ نے اپنے خاندان کے تمام اسیر رہا کر دیئے۔ یہ دیکھ کر مہاجرد انصار نے بھی آپؐ کی تقلید میں قیدی چھوڑ دیئے۔ آپؐ کی یہ محبت اور حسن سلوک دیکھ کر بہت سے لوگ اسلام کے گرویدہ ہو گئے۔ قبیلے کا سردار مالک بن عوف بھی حاضر ہوا تو آپ نے اس کے ڈھور ڈنگر مال ومتاع کے علاوہ اپنی طرف سے 100 اونٹ عطا کر دیئے۔ نیز دوسرے قبیلوں کی سرداری

بخش دی۔ وہ آپؐ کے اس کریمانہ حُسن سلوک پر ایمان کی دولت سے سرفراز ہوا۔ ہوازن کی گرفتار ہونے والی عورتوں میں آنحضورؐ کی رضاعی بہن شیما بھی تھی۔ شیما کی پشت پر دانت کے زخم کے نشان دیکھ کر آپؐ نے اسے پہچان لیا۔ اپنی چادر پر بٹھایا۔ مال و متاع کے علاوہ مکحول نامی ایک غلام اور ایک کنیز بھی عطا فرمائی۔ شیما نے غلام اور لونڈی کی شادی کر دی جن کی نسل آج تک موجود ہے۔

انصار کے آنسو

آنحضورؐ نے تالیف قلوب کے لیے مہاجرین مکّہ اور نومسلم حضرات کو مالِ غنیمت کا کچھ حصہ زیادہ دیا تو انصار میں کچھ چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ آپؐ نے سن کر گروہ انصار سے خطاب فرمایا:

''میرے عزیزوں نے میری تکذیب کی، تم نے میری تصدیق کی۔ میں مسافر تھا، تم نے مجھے پناہ دی۔ میرے مجد و شرف کے باعث، تم گمراہ تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت فرمائی۔ تم قلاش تھے، خدا نے تمہیں مالدار مستغنی کیا۔ تم آپس میں دشمن تھے، خالق کائنات نے تمہارے دل جوڑ دیئے۔ تم دنیا کے حقیر مال کے لیے غمگین اور رنجیدہ ہو۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ یہ لوگ مال و متاع شتر اور گوسفند لے جائیں اور تم محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ساتھ لے جاؤ۔''

اِس خطبہ کے تاثرات سے انصار پر رقت طاری ہوگئی اور پکارنے لگے، ہمیں آپؐ کی رفاقت منظور ہے۔ آپؐ کا یہ خطبہ کمال خطابت کا شہکار ہے۔ آپؐ کے خطاب کا رنگ و آہنگ جُدا اور اثر آفرینی میں بے مثال ہے۔

اب آپؐ نے جعرانہ کے مقام پر عمرہ کا احرام باندھا اور مکّہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ ادا کیا۔ یہ عمرہ 24 ذیقعد کو ادا فرمایا گیا۔ مکّہ میں عتاب بن اسیر کو امیر مقرر کیا اور ذوالحجہ کے اوائل میں آپ مدینہ منوّرہ تشریف فرما ہوئے۔ فتح مکّہ کے بعد تمام عرب مسلمان ہو چکا تھا یا اسلام سے موافقت کر چکا تھا۔ اب پورے عرب میں آپ کی حیثیت مذہبی، سیاسی اور فوجی سربراہ کی تھی۔

کعبؓ بن زہیر (قصیدہ بانت کا خالق)

مدینہ منوّرہ پہنچے تو کعب بن زہیر جو ہمیشہ آنحضورؐ کی شان اقدس میں ہجویہ اشعار کہتا اور

مسلمانوں کو ذہنی اذیتیں دیتا تھا۔ اس کے بھائی بجیر نے لکھا کہ تم حضور اکرمؐ کی مخالفت کرتے رہے ہو۔ اب وقت آ گیا ہے کہ توبہ کرلو۔ آپؐ رحمت عالم ہیں، معاف فرما دیں گے اور تمہاری نجات ہو جائے گی۔ یہ سُن کر کعب، مدینہ پہنچا اور اپنے ایک دوست جہنی کے ہاں قیام کیا۔ صبح کی نماز کے وقت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:

''یارسولؐ اللہ! اگر کعب تائب ہو کر امان کا طالب ہو تو آپ کے پاس لے آؤں؟''

آپؐ نے ہاں فرمایا تو کہنے لگا:

''یارسولؐ اللہ! میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔ مجھے معاف فرمایئے۔''

ساتھ ہی حضور اکرمؐ کی شان میں قصیدہ بانت سعاد پڑھا۔ آپؐ نے پسند فرمایا۔ حضورؐ کے فرمان کے مطابق انصار کی مدح میں فی البدیہہ چند اشعار کہے۔

قصیدہ بانت سعاد پر کعب کو آپؐ نے اپنی ردائے مبارکہ عطا فرمائی۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے تاریخ خلفاء میں لکھا ہے کہ یہ چادر امیر معاویہؓ نے دس ہزار درہم میں کعبؓ سے خریدنا چاہی تھی لیکن کعبؓ نے انکار کر دیا۔ پھر کعبؓ کے صاحب زادے سے عقبہ الغرب نے یہ چادر امیر معاویہؓ کے بدست چالیس ہزار درہم میں فروخت کر دی۔ بعد ازاں یہ چادر بنو امیہ کے خلفا کی تحویل میں رہی۔ پھر عباسیہ خاندان کے افراد اسے شام اور مصر لے گئے۔ خاص خاص موقع پر زیارت کرتے۔

ترکوں نے جب مصری حکومت کو ختم کیا تو ردائے مبارکہ قسطنطنیہ میں منتقل ہو گئی اور آج تک استنبول میں سلطان محمد فاتح کے تعمیر کردہ محل توپ کاپی کے کمرا نمبر 12 میں ایک طلائی صندوق میں محفوظ ہے۔

باب 19

غزوہ تبوک 9ھ یا جنگ فاضحہ

فتح مکہ اور معرکہ حنین کے بعد امیر امم اپنے مرکز مدینہ منورہ پہنچے۔ ذی الحجہ 8ھ سے رجب 9ھ تک قیام فرمایا۔ اب ہر طرف امن وسلامتی کا دور دورہ تھا۔ ایک دن ملک شام کے تاجر جو یہاں روغن زیتون فروخت کرنے آتے تھے، انہوں نے خبر دی کہ رومیوں نے دو لاکھ سپاہ تیر و تبر زرہ بکتر سے لیس ایک بڑا لشکر تیار کیا ہے جو اسلامی سلطنت کے دارالخلافہ مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اور مقدمۃ الجیش ہراول دستہ بلقاء کے مقام تک پہنچنے والا ہے۔ یہ خبر سن کر سرکار دو عالم نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم صادر فرمایا۔ مدینہ میں ان دنوں قحط سالی تھی۔ تنگی اور عسرت وفلاکت عام تھی۔ موسم شدید گرم تھا۔ فصلیں پک رہی تھیں۔ سرمایہ کی کمی تھی۔ سامانِ جنگ اور سواریوں کا انتظام مشکل نظر آ رہا تھا۔ منافقین یہ حکم سن کر طرح طرح کے بہانے تلاش کرنے لگے۔ کسی نے کہا:

”فصل پک رہی ہے، اس کو سنبھال لیا جائے۔“

کچھ کہنے لگے:

”روم کی عورتیں حسین وجمیل ہوتی ہیں۔ ہم خواہ مخواہ گنہگار کیوں ہوں۔“

دعوتِ انفاق مال

رسولِ اکرم عموماً غزوات کی تیاری کے لیے اشارات وکنایہ سے کام لیا کرتے تھے، ہدف مخفی رکھتے۔ ہمیشہ دوسرے رُخ کا اشارہ فرماتے لیکن اس موقع پر فرمایا: رزمِ تبوک جانے کا ارادہ ہے۔ مرسلِ برحق کا اشارۂ ابرو سمجھ کر جاں نثارانِ نبوت اپنی بساط سے بڑھ کر تعمیل کے لیے تیار ہو گئے۔ بہ یک وقت جاں طلبی اور زر طلبی کی اپیل پر مسجد نبوی میں درہم و دینار کے علاوہ سامان جمع

ہونا شروع ہوگیا۔ اس موقع پر حضرت عثمان غنیؓ نے ایک سو سوتے کے دینار، نو سو اونٹ، سو گھوڑے اور بے شمار رسد پیش کی۔ حضور اکرمؐ نے آپ کو جیش العسرت کے خطاب سے نوازا۔ فرمایا:

مافی ما عثمان ماعمل بعد هذا اليوم

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے چاندی کے چار ہزار درہم پیش کیے۔ حضرت فاروقؓ اعظم گھر کے تمام اثاثے کا نصف اٹھالائے اور رفیق نبوت حضرت ابوبکرؓ صدیق گھر کی کُل کائنات آنحضورؐ کے قدموں پر ڈھیر کر دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

''صدیقؓ فکرِ عیال بھی ضروری ہے۔''

اس پر عشق و محبت کے راز دار نے عرض کیا: ع

صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

یہ تھی ابوبکرؓ کی کشادہ ظرفی اور سلیم الفکری۔

حضرت ابوعقیل انصاریؓ فلاکت زدہ تنگ دست تھے۔ تمام رات سقائی کرتے رہے۔ ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ معاوضہ میں چار سیر چھوہارے ملے۔ دو سیر اپنے بچوں کو دے دیئے اور دو سیر خدمت نبوی میں پیش کر دیئے۔ آپؐ نے یہ فیاضی دیکھ کر تالیف قلوب فرماتے ہوئے وہ چھوہارے سامانِ جنگ پر بچھا دیئے۔ جب سامان مکمل ہوگیا تو سباغ بن عرفطہ کو مدینہ کی حاکمیت سپرد کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اہل بیت کا نگران مقرر کیا اور 20 ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر بہ نفس نفیس عازمِ تبوک ہوئے۔

جیش عسرت

مجاہدین اسلام کا یہ سخت جان لشکر صحراؤں کو روندتا سیل سبک کی طرح رواں دواں تھا۔ سب سے آگے علمدار جس کا پھریرا ہوا میں لہرا رہا تھا۔ اس کے پیچھے امیر عساکر کا اسپ تازی، ان کے عقب میں گھڑ سوار، پھر قطار اندر قطار اونٹ جن کے کجاوے پر دو دو مجاہد باری باری سوار ہوتے۔ اونٹ کے بالوں کے خیمے، مٹی کے پیالے، ستو، کھجوریں، تیر کمان اور تلواریں تھیں۔ بلاشبہ سامانِ رسد، اسلحہ جنگ کی قلت تھی لیکن ان کے عزائم جلیل تھے۔ سب سے بڑھ کر رسولؐ اللہ کی قیادت

نصیب تھی۔

موسم سخت، گرم تپتے ہوئے صحرا، بے سنگ ومیل سنگلاخ چٹانیں، جہاں نہ سایہ تھا نہ پانی لیکن مجاہدین اسلام کی بادیہ پیمائی جاری وساری تھی۔

حضرت عبداللہؓ ذوالبجادین (دو چادروں والا) جن کا پہلا نام عبدالعزیٰ تھا، نواحِ مدینہ کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ صغیر سنی میں والد کا انتقال ہو گیا تو چچا نے مار کر گھر سے نکال دیا۔ والدہ نے ایک کمبل دیا جو پھاڑ کر ایک ٹکڑا تہبند دوسرا چادر بنا لیا۔ یہ اسلام قبول کرنے کی سزا ملی اور حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ان کو اصحابِ صفہ کے حلقہ میں داخل فرما دیا۔ یہ بھی تبوک میں ہم سفر تھے۔ موقع پر شہادت کی درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا:

''اگر اس راستہ میں فوت ہو گئے تو بھی شہادت کا درجہ نصیب ہوگا۔''

خالق کائنات کی حکمت کہ واپسی پر راستہ میں بخار کی وجہ سے رحلت فرمائی تو سرورِ عالمؐ بہ وقت نزع ان کے بالیں پر تشریف فرما تھے۔ میت کو اپنے دست مبارک سے قبر میں اتارا اور دعائے خیر فرمائی۔

حجر کے مقام پر قیام فرمایا۔ موسم کی خشونت کی وجہ سے بارش کی دعا فرمائی۔ ایک سانڈنی کہیں گم ہو گئی۔ ابن لیعت طعنہ زن ہوا۔ یوں تو آسمانوں کی خبریں دیتے ہیں لیکن معلوم نہیں اونٹ کہاں ہے۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ فلاں جنگل میں اس کی مہار ایک شاخ سے اُلجھ رہی ہے۔'' صحابہؓ گئے اور اونٹ لے آئے۔

اسی سفر میں حضرت ابوذر غفاریؓ کا اونٹ تکان کی وجہ سے سفر کے قابل نہ رہا۔ آپ اپنا سامان کمر پر لاد کر قافلہ کے پیچھے چلے۔ پڑاؤ پر قافلہ کے ساتھ مل گئے۔ رسولؐ اللہ نے صحابہؓ کی عرض پر فرمایا:

''ابوذرؓ تنہا رہے گا۔ تنہائی میں فرشتہ اجل سے ملاقات ہوگی اور تنہا ہی حشر کے دن اٹھایا جائے گا۔''

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایت ہے کہ عہد عثمانؓ میں ابوذرؓ ربذۃ کے مقام پر آباد تھے۔ بیمار ہوئے تو اہلیہ سے کہا: ''میں نے تھوڑی سی خوشبو رکھی ہوئی ہے۔ وہ خیمہ پر چھڑک دو۔ اب

ایک ایسی مخلوق آنے والی ہے جو خوشبو پسند کرتی ہے۔"

وصیت فرمائی: "انتقال کے بعد میت کو غسل دے کر اور کفنا کر رکھ دیں۔ یہاں سے قافلہ گزرے گا تو اہل قافلہ نماز جنازہ پڑھ کر دفنا دیں گے۔"

دریں اثناء عراق کی طرف سے ایک قافلہ آیا۔ اس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی شامل تھے۔ انہوں نے کہا: "آنحضورؐ نے سچ فرمایا تھا۔"

اور نماز جنازہ کے بعد میت دفن کر دی۔ اس موقع پر ابوخیثمہؓ بھی مجاہدین میں آملے۔

تبوک کا مقام عرب کا شمالی حصہ ہے۔ یہ آج سے 14 سو سال پہلے رومی سلطنت کا ایک قصبہ تھا۔ حد نگاہ تک وحشت ناک بے آب و گیاہ ویرانہ، ایک طرف ایک بڑا میدان، جب وادیٔ مشقق میں آپؐ نے قیام فرمایا تو وہاں ایک چشمہ سے پانی قطرہ قطرہ ٹپک رہا تھا۔ آپ نے ہاتھ بھگو کر چشمہ میں ڈالا تو معجزہ رونما ہوا۔ چشمہ سے بے انتہا پانی اُبلنے لگا۔ قیام کے دوران تمام لشکر نے اس پانی سے استفادہ کیا۔ اس موقع پر ساقیٔ کوثر و تسنیم نے فرمایا:

"یہ علاقہ کبھی باغوں سے بھرپور ہوگا۔"

آپ کی یہ نوید ارم حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ دورانِ قیام، مومنین مقتدی امام امیر امم کی اقامت میں 20 ہزار مجاہدین قطار اندر قطار نماز ادا کرتے رہے۔ جس جگہ آپ کا خیمہ تھا، وہاں اب مسجد الرسولؐ تعمیر ہو چکی ہے۔

امیر عساکر اسلامیہ کا یہ سفر سلطنت روم کا زوال اور سقوط ثابت ہوا۔

میدان تبوک میں آپ نے تین ہفتہ قیام فرمایا لیکن جنگ نہیں ہوئی۔ آپ کی دفاعی منصوبہ بندی اور پیغمبرانہ فراست دیکھ کر رومی سلطنت کو نہ تیاری کا موقع ملا نہ مقابلہ کی جرأت ہوئی حالاں کہ یہ حکومت اس وقت آدھی دُنیا پر حکمران تھی۔

تبوک سے واپسی

تبوک سے واپسی پر مختلف قبائل کے وفود حاضر ہو کر امان طلب کرتے اور تحائف پیش کرتے رہے۔ ایک عیسائی قبیلہ کے سردار یوحنا نے آپ کی خدمت میں سفید خچر پیش کیا۔ ریشمی کپڑا

اور تین سو دینار سالانہ بطور جزیہ دینے کا معاہدہ کیا۔ آپؐ نے بھی اُسے اپنی چادر مبارک بطور تحفہ عطا فرمائی۔ اس مہم کی کامیابی سے متاثر ہو کر متعدد غیر مسلم قبائل کے وفد حاضر خدمت ہوئے اور جزیہ دے کر امن کے خواہاں ہوتے رہے۔ اس سفر میں مسلمان مجاہدین نے صعوبتیں جھیلیں۔ گرمی، بھوک اور پیاس کے شدائد برداشت کیے لیکن رومی سلطنت کی طرف سے خطرہ ختم ہو گیا اور تمام عرب میں اسلامی حکومت کی دھاک بیٹھ گئی۔ (طبقات ابن سعد)

سرورِ دوؐ عالم کو اس سفر میں 50 دن لگے۔ رمضان 9ھ میں مدینہ واپس تشریف لائے۔ منافقین مدینہ کو توقع تھی کہ اس جنگ میں کوئی مسلمان بچ کر نہیں آئے گا۔ لیکن مجاہدین رسولؐ اللہ کی معیت میں جب صحیح سلامت مدینہ تشریف لے آئے تو مسلمان مستورات نے طلع البدر علینا کے گیت گائے۔

راست گوئی اور عفو

منافقین نے آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر جھوٹے سچے بہانے وعذر پیش کیے جو آپؐ نے تبسم زیر لب قبول فرما لیے۔ لیکن تین مسلمان صحابی ایسے تھے جو لشکر اسلامیہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ یہ حضرت کعبؓ بن مالک، ہلالؓ بن امیہ اور مرارہؓ بن ربیع تھے۔ یہ تینوں حضرات کوئی عذر نہ پیش کر سکے اور اپنی کوتاہی وتساہل کا اقرار کر لیا۔ آپؐ نے ان کا معاملہ وحی ایزدی کے سپرد کر دیا اور فرمایا، لا تِکلمَن احدٌ من ھوء لا الثلاثۃ کہ ان حضرات سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ 50 دن تک ان کے بیوی بچے نہ سلام لیتے نہ کلام کرتے۔ حضرت کعبؓ کا بیان ہے، اس دوران شام کا نبطی، غسان کے حاکم جو عیسائی تھا، کی طرف سے ایک خط لایا جس میں لکھا تھا:

''سنا گیا ہے کہ تمہارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے ناراض ہیں، تم میرے پاس چلے آؤ۔ تمہاری ہر طرح امداد کی جائے گی۔''

میں نے خط پڑھ کر جلا دیا۔ اور فرمایا میں نے ہمیشہ اسلامی غزوات میں حصہ لیا۔ تبوک جانے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا لیکن کچھ گھریلو مصروفیات ایسی تھیں کہ میں نے سوچا یہ ختم کر کے سواری پر لشکر سے جا ملوں گا لیکن روز بہ روز مصروفیتوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ ادھر خبر آ گئی کہ رسولؐ اللہ مظفر و

منصور واپس تشریف لا رہے ہیں۔ جب آپؐ کے سامنے حاضر ہوا تو کوئی بہانہ نہ بنا سکا۔ اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ روزانہ مسجد نبوی میں حاضر ہوتا۔ صحابہؓ اور رسولؐ اکرم کی خدمت میں سلام عرض کرتا۔ آپؐ کبھی میری طرف دیکھ لیتے اور کبھی چہرہ مبارک دوسری طرف فرما لیتے۔ ایک دن قتادہؓ جو میرا پچیرا بھائی تھا، اس کے باغ میں پہنچا۔ اُس نے بھی میرے سلام کا جواب نہیں دیا تو میں نے آزردہ ہو کر پوچھا: ''تم نے بھی میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔''

اُس نے کہا:

"اللہ و رسولہ اعلم۔"

میں سُن کر آبدیدہ ہو گیا۔ اسی حالت میں چالیس دن گزر گئے۔ اب حکم ملا کہ بیوی سے الگ رہو۔ میں نے پوچھا: ''طلاق دے دوں۔''

فرمایا: ''نہیں! صرف الگ رہو۔''

جناب ہلالؓ اور مرارہؓ کے لیے بھی یہی حکم تھا۔

توبہ منظور ہوگئی۔

ایک دن نمازِ صبح کے بعد گھر کی چھت پر بیٹھا سوچ رہا تھا۔ میرے لیے زمین اپنی فراخیوں کے باوجود تنگ ہو رہی تھی کہ اچانک سلع کی پہاڑی سے نوید جانفزا گونجی:

''کعبؓ مبارک ہو! تمہاری توبہ قبول ہوگئی۔''

صحابہؓ میری طرف دوڑتے ہوئے آئے۔ مبارک مبارک کی آوازیں گونجنے لگیں۔ مسجد نبوی میں پہنچا تو صحابہؓ کے جھرمٹ میں مجسم الکتاب کا چہرہ مبارک چمک رہا تھا۔ متبسم ہو کر آپؐ نے بھی مبارک باد فرمائی۔

سوچنے کا مقام ہے کہ صحابہ کرامؓ نے آپؐ کا حکم سُنا اور آمنا وصدقنا۔ حکم کی خلاف ورزی کے لیے نہ قید نہ جرمانہ نہ خوف۔ صرف آپ کی زبان سے الفاظ نکلے اور عمل شروع ہو گیا۔

یہ تھی صحابہ کرامؓ کی جماعت جو ایک اُمّی نبی کی تعلیم سے بہرہ ور ہوئی جس کی سرفروشی جانسپاری کی مثال آج تک دنیا میں پیدا نہیں ہو سکی۔

باب20

مسجد ضرار

میر اُمم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے تبوک کی طرف جاتے ہوئے مقام ذی اوان میں قیام فرمایا تو بانیانِ مسجد ضرار حاضر ہو کر عرض کرنے لگے:

''یا رسولؐ اللہ! ہم نے محتاجوں، بیماروں اور سرد و گرم راتیں گزارنے والوں کے لیے ایک مسجد تعمیر کی ہے۔ ہماری آرزو ہے کہ آپؐ اس مسجد میں نماز ادا فرمائیں تو باعث برکت ہو گی۔''

آپؐ نے فرمایا:

''اس وقت تبوک کا عزم ہے، واپسی پر دیکھیں گے۔''

میدانِ تبوک سے واپسی پر آپ کو وحی ایزدی نے خبر دی کہ یہ مسجد ضرار ہے۔ اس کو منہدم کر دیا جائے۔ اس مسجد کے بانی 12 اشخاص تھے۔ یہ دراصل کچھ منافق اور چند عیسائی تھے جن کی سازش یہ تھی کہ اس میں اسلحہ جمع کر کے اسلامی حکومت کے لیے مشکلات پیدا کی جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے منصوبے ناتمام رہ گئے۔ آپؐ نے مالکؓ بن دخشم اور عاصمؓ بن عدی کو فرمایا کہ اس مسجد کو جلا دو اور منہدم کر دو۔ ان دونوں حضرات نے پہلے آگ لگائی۔ جب گرانا شروع کیا تو بانیانِ مسجد بھاگ کھڑے ہوئے۔ قرآنِ پاک میں فرمایا گیا:

وَالّذین تخذرُ مسجدً ضرارً و کفراً و تفریقاً بین المومنین۔ سورہ توبہ

قبیلہ طے کے اسیر

سرکارِ دو عالم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو 100 سواروں کا لشکر دے کر قبیلہ طے کی

طرف روانہ فرمایا۔ آپ نے فوج کشی کی، بُت گرائے اور قبیلے کے لوگ گرفتار کر لیے۔ ان اسیروں میں حاتم طائی کی صاحب زادی بھی قید ہو کر آئی۔ اسے مسجد نبوی کے قریب عزت و تکریم کے ساتھ خیمہ میں بٹھایا گیا۔ جب آنحضورؐ ادھر سے گزرے تو حاتم کی صاحب زادی نے، جو بہت حسین و جمیل اور شیریں مقال تھی، عرض کیا:

''یارسولؐ اللہ! میرا باپ حاتم بہت بڑا سخی اور جواد تھا جو فوت ہو گیا۔ میرا بھائی عدی بن حاتم جو مجھے رہا کرانے کی استطاعت رکھتا تھا، بھاگ گیا۔''

آپؐ نے اُس کی تسلی فرمائی۔ چند روز بعد قبیلہ قضاعہ کا وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اچھی خاصی رقم اور لباس دے کر بھائی کے پاس روانہ فرمادیا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے بھائی سے کہا:

''تم اپنی بیوی اور بچوں کو ساتھ لے کر بھاگ آئے اور اپنے سخی باپ کی نسل کو گرفتاری کے لیے چھوڑ آئے۔ اب رسولؐ اللہ کی خدمت میں جاؤ اور امان طلب کرو۔''

وہ حضور اکرمؐ کے سیرت و کردار کی تعریف سُن کر جب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے بڑی عزت سے بٹھا کر اسلام پیش کیا۔ جب ایمان سے بہرہ ور ہو گیا تو اُسے قبیلہ طے کا عامل مقرر کر دیا۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی تو اس دوران کُل 27 غزوات کی بہ نفسِ نفیس کمان فرمائی اور 35 سرایا ہوئے۔ دس برس میں دس لاکھ مربع میل پر قبضہ فرمایا۔ اگر حساب لگایا جائے تو 274 مربع میل یومیہ فتح کی اوسط ہے۔ عہد نبوی میں کُل شہدا اور مقتولوں کی تعداد صرف 1800 ہے یعنی ایک ماہ میں ایک مجاہد شہید ہوا اور دشمن کے 150 افراد ماہوار مارے گئے۔ نیز آپ کو کسی معرکہ میں شکست نہیں ہوئی۔

یہ ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فتوحات کی تعداد جسے یورپ کے متعصب مؤرخ خونی پیغمبر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

سرکارِ دوعالمؐ کی حربی قیادت

صفاتِ انسانی کا کمال، جلال و جمال کا حسین امتزاج ہوتا ہے۔ سرورِ کائنات کے جلال

پر بھی رحمت کی صفت محیط رہتی تھی۔ آپ عموماً متبسم رہتے لیکن جب کوئی اللہ تعالیٰ کے امر کی نافرمانی کرتا تو آپ کے جلال کی مجال تاب نہیں رہتی تھی۔ خطاب فرماتے ہوئے یا نزولِ وحی کے وقت ہمیشہ باوقار و بارعب رہتے۔ بطور سپہ سالار افواج اسلامیہ حربی قابلیت اور جنگی مہارت بے مثال تھی۔

غزوۂ بدر میں اقدامی جنگ تھی۔ آپؐ نے قلیل مجاہدین کے ساتھ تین گنا زیادہ فوج کو جو بہترین اسلحہ سے لیس تھی، شکست فاش دی۔ جنگ احد میں آپ آخری دم تک میدان میں ثابت قدم رہے۔ دشمن بھاگا تو اس کے تعاقب میں اپنی زخمی فوج بھیج کر شکست کے لفظ کو فتح میں تبدیل کر دیا۔

غزوۂ احزاب دفاعی جنگ تھی۔ سارے عرب کے قبائل متحد ہو کر حملہ آور ہوئے لیکن آپؐ کے استقلال اور عزائم کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلے۔

فتح مکہ میں اپنے عظیم لشکر کے ساتھ اچانک شہر کے قرب و جوار میں پہنچ گئے کہ دشمن کو مقابلہ کی سکت نہ رہی۔

صلح حدیبیہ میں دفاعی رسالہ اور شہر مکہ کے درمیان پوزیشن سنبھالی تو مشرکین مکہ اپنے دفاع سے محروم ہو گئے۔ اسی کے باعث کفار نے وفد بھیج کر صلح کی شرائط طے کیں، اللہ تعالیٰ نے جسے فتح مبین قرار دیا۔ اسی طرح دیگر تمام غزوات اور سرایا میں اپنی حربی مہارت سے کام لے کر مجاہدین اسلام کو کامرانی اور فتح مندی کے گر سکھائے۔

باب 21

پہلا اسلامی حج 9ھ

غزوۂ تبوک سے واپسی پر سرورِ عالم نے مسلمانوں کو حج کے لیے جانے کا حکم دیا اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کو، جنہیں قرآنِ کریم نے صاحب النبیؐ کے لفظ سے موسوم فرمایا ہے، امیر حج مقرر کیا۔ نیز فرمایا، آج کی تاریخ کے بعد کوئی مشرک یا غیر مسلم حج کے لیے مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہو سکے گا اور جہاد کرنے کی اجازت بھی فرمائی۔ (سورۂ براۃ)

دجالین کے متعلق فرمایا گیا قیامت تک میری امت میں تیس دجال پیدا ہوں گے۔ ہر ایک نبوت کا داعی ہوگا۔ (ابن اسحاق ثوبان)

حضور سرورِ کائنات، فخر موجودات، خاتم النبیین، رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات، جو ایک شریف گھرانے میں پیدا ہوئے، جو چھے سال کی عمر میں یتیم ہو گئے، جن کی جوانی بے داغ رہی، چالیس برس کی عمر میں جب رسالت کے فوزِ عظیم سے نوازے گئے تو اپنے عزیز واقارب اور شہر کے لوگوں کی طرف سے اذیتیں اور صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ طرح طرح کے الزام سہے جن کا ذکر کرتے ہوئے انسان کی زبان یارا نہیں دیتی اور لکھتے ہوئے قلم لرزلرز جاتا ہے۔

عہد آفریں پیغمبر

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خامۂ قدرت کا شہکارِ عظیم اور احکام الٰہی کا عملی نمونہ ہیں۔ آپؐ کا وجود گرامی مجسم الکتاب ہے۔ قرآن پاک کی آیات، آپؐ کے قصیدے اور آپؐ کی

سنت قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے۔ سنت کی پیروی کتاب اللہ کی پیروی ہے۔ آپ کا سینہ مبارک قرآن کا متحمل ہوا۔ اگر پہاڑوں پر کلامِ الٰہی کا نزول ہوتا تو خشیت الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ آپؐ نے انسانی معاشرے کے لیے نئی راہیں تجویز فرمائیں۔ آپؐ نے بے سروسامانی کے باوجود تنہا تاریخ کے دھارے بدل دیئے۔ دنیا میں آخری اور بڑے مذہب کی بنیادیں استوار فرمائیں۔ آپؐ نے جو تصورات پیش کیے، انہیں عملی جامہ پہنایا۔ آپؐ پوری تاریخ انسانیت میں واحد عظیم المرتبت اور آفاقی شخصیت ہیں جنہوں نے دینی اور دنیوی سطح پر بے مثال کامرانی حاصل کی۔ آپ ہی انوارِ الٰہی کا عملی نمونہ ہیں۔

کائنات کا خلاصہ انسان اور انسانیت کا خلاصہ انبیاء ہوتے ہیں۔ مرسلین کے سرتاج، سرکارِ دوؐ عالم کی تعلیم پوری قوت اور سُرعت کے ساتھ دنیا میں اثر انداز ہوئی جس کے اثرات غیر مختتم دائرے کی طرح ماضی، حال اور مستقبل پر محیط ہیں۔ آپ کی نبوت ابدی اور عالمگیر تھی۔ آپ خزینۂ حکمت، گنجینۂ معرفت تھے۔ حکمت و دانش فصاحت نثار ہوتی اور بلاغت آپؐ کے لب چومتی۔ سخاوت آپ کا زیور اور شجاعت کنیز تھی۔ آپ منبع رشد و ہدایت اور چشمۂ ایثار و عفو ہیں۔ آپ ہمیشہ اصلاح نفس، تزکیہ اخلاق اور تربیت دین پر توجہ فرماتے کہ دین حق اور نظامِ اسلام کی غرض و غایت ہی مکارم اخلاق ہے۔ آپؐ داعی تحریک تھے۔ آپؐ کے معجزانہ اندازِ خطابت نے جزیرہ نمائے عرب کے خونخوار اور کینہ پرور جنگجو قبائل کو بھائی بھائی بنا دیا۔ اوس اور خزرج جیسے قبائل بھی آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔

آپؐ کی گفتگو نرم اور طبع مبارک سنجیدہ اور سلیم تھی۔ آپؐ خلق عظیم کے مظہر عظیم تھے۔ موزوں قد لیکن معجزہ یہ کہ کسی حلقہ میں ایستادہ ہوتے تو مائل بہ درازی اور سربلندی کی تصدیق ہو جاتی۔ تمام عمر کسی کے لیے بددُعا نہیں فرمائی۔ نہ کسی ظالم سے ذاتی انتقام لیا۔ آپ تمام ظاہری و باطنی کمالات کا مظہر ہیں۔ خالق کائنات نے آپ کو اپنا حبیب منتخب فرمایا۔ آپ کی مقدس و مطہر ہستی ذہانت و وجاہت، صبر و استقامت، عالی ظرف، فرض شناس، وقار اور انکسار جیسے تمام اوصافِ حمیدہ کے جامع تھی۔ آج بھی دنیا آپ کی ہدایت و رہنمائی کا شعور اور غیر شعوری طور پر اعتراف کر رہی ہے اور علیٰ وجہ البصیرت محسوس ہو رہا ہے کہ وہ دن قریب ہے جب تمام دُنیا اسلام کی حلقہ بگوش ہو جائے گی۔

انسانیت کا محسن اعظم، تکمیل دین اور اتمامِ نعمت اپنے جلو میں لیے بہ کمال حُسن و رعنائی اور بصد شانِ زیبائی، غزوۂ تبوک کے بعد مدینہ منوّرہ تشریف لے آئے، تو اب مرکز کی تاسیس ہونے

لگی کہ یہ مرکزیت ہی قوموں کی زندگی اور ہستی کا مدار ہے۔ ملّت کے جداگانہ اور امتیازی خطوط بھی مرکز ہی کے مرہونِ منت ہیں۔ اگر مرکز میں انتشار پیدا ہو جائے تو ملّی حیثیت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کائنات رنگ و بو بھی اپنے لیے ایک نقطۂ اتصال رکھتی ہے۔ اجرامِ فلکی بھی فضا کی لامحدود پہنائیوں میں اپنے اپنے مرکز و محور پر گھوم رہے ہیں۔ لیکن ملّت اسلامیہ کے فکر و نظر کا مرکز اللہ تعالیٰ کی حاکیت ہوتا ہے اور مسلمانوں میں یہی وہ خصوصیت کبریٰ ہے جو انہیں تمام اقوام و ملل سے متمیز کرتی ہے۔

اب برگزیدہ نبی کو پورے عرب کی بادشاہت مل گئی ہے لیکن کوئی پایۂ تخت نہیں بنایا گیا۔ محلات کی تعمیر نہیں ہوئی۔ بلاشبہ جہانِ نو کی تشکیل و تکمیل کے خطوط معین ہونے لگے ہیں۔ اسلامی دستور اور قرآن کا آئین جاری ہو رہا ہے لیکن تاجدارِ عرب و عجم کسی شاہی محل کی بنیادیں استوار نہیں کرتے نہ حاجب اور نہ دربان رکھے جاتے ہیں۔ نہ لباس فاخرہ زیب تن کیا جاتا ہے نہ سلاطین زمانہ کی طرح تخت و تاج بنائے جاتے ہیں۔ نہ شاہی دربار ہے نہ کہیں پولیس ہے، نہ جلاد، نہ محتسب، نہ گورنر بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ وہی فقر، وہی درویشی، وہی رحم و کرم، وہی جھونپڑا اور کھجور کے پتوں کے چھپر جس میں داخل ہوتے ہوئے سر چھت کے ساتھ چھو جاتا ہے۔ وہی حجرے ہیں اور وہی مسجد، وہی چمڑے کا گدا، وہی بستر اور وہی بوریا آپ کا تخت۔ زمین پر چٹائی بچھا کر لیٹ جاتے ہیں۔ کھری چارپائی کے نشان جسم اطہر پر دیکھ کر عمروؓ بن عبداللہ مسعود رو دیتے ہیں۔ ایلاء کے موقع پر فاروق اعظمؓ پر بھی رقت ہو جاتی ہے۔ شہر یار نبوت کی محبوب اہلیہ کے چولہوں میں ہفتوں دھواں نہیں اٹھتا۔ پیاری بیٹی خاتونِ جنت کے آسیہ گردانی کے باعث ہاتھوں پر چھالے اور پانی کے مشکیزہ سے کندھوں پر گھٹے پڑ جاتے ہیں۔

شہنشاہ کون و مکاں کو مہینوں جو کے بے چھنے آٹے کی روٹی میسر نہیں آتی۔ بھوک کی شدت ہوئی تو پیٹ پر پتھر باندھ لیے یا خشک چھوہاروں اور ستوؤں پر گزر کر لی۔

عرب کی سرزمین میں نبی کریمؐ کی بعثت سے قبل جہالت، باطل پرستی، گراں گوشی، کذب و دروغ اور معاشرہ تباہ کر دینے والی ہر برائی موجود تھی۔ لیکن آپؐ کی مساعی سے کایا پلٹ گئی۔ محمد عربیؐ کی محیر العقول کامیابی و کامرانی کا صحیح اندازہ تو انسانی فکر و ذہن سے بالاتر ہے لیکن ظاہری آنکھ دیکھتی ہے کہ آپؐ کے مقدس وجود سے دنیا منور ہوئی۔ آپ کی شخصیت مینارۂ نور تھی۔ آپؐ کی دعوت ارشاد

وعزیمت نے وہ معجزہ کر دکھایا کہ بادیہ گرد، دیکھتی آنکھوں دنیا کی سب سے زیادہ مہذب قوم بن گئے اور تہذیب وتمدن کے وہ اصول پیش کیے جن پر انسانیت رہتی دنیا تک ناز کرے گی۔

سرور عالم ایک گراں قدر تہذیبی اثاثہ، محامد ومحاسن کا مجموعہ اور ایک عہد آفریں پیغمبر تھے۔ اپنی ہمہ گیر صلاحیتوں کے اعتبار سے سرخیل زمانہ تھے۔ آپ حُسنِ کرار، حسن تکلم اور دیگر تمام برگزیدہ اوصاف سے متصف تھے۔ رحم وکرم، تواضع، ملنساری، شجاعت مردانگی، عدل و انصاف، مروت ومُودّت، شفقت بے پایاں کے خوگر اور قائدانہ عبقریت کے مالک تھے۔

اب مسجد نبوی تعلیم وتدریس کا مرکز بھی ہے اور تمام اجتماعی امور کا منبع بھی۔ درس گاہ وعظ وافتاء بھی یہی ہے تو دانش گاہ تالیف وتصنیف بھی یہی۔ اب دربارِ رسالت میں درود وسلام، ورود وظائف، زہد وکشف، فقر وغنا کے چرچے بھی ہیں اور قانونی شریعت کے نفاذ کا مرکز بھی یہی ہے۔ فرمانوں پر مہریں بھی یہیں ثبت ہوتی ہیں اور افواجِ اسلامیہ کی مرکزی چھاؤنی بھی یہی ہے۔

تیئس برس کی مکمل جدوجہد سے دین کی تحریک تکمیل تک پہنچی تو انسان کے سیرت وکردار بھی اپنے آخری نکتہ تک پہنچ گئے۔ نبیُ اُمّی کی اخلاقی روحانی اقدار اس قدر بلند ہیں کہ ان میں عجیب وغریب معجزات نظر آتے ہیں۔ جہاں ملائکہ آپؐ کی دربانیاں کرتے ہیں، وہاں آپ کی تمام زندگی ایک عملی انسان کی زندگی نظر آتی ہے۔ سماجی لحاظ سے بھی آپ نے غربت پسند فرمائی۔ رہن سہن اور لباس بھی عوامی رکھا۔ کوئی خاص لقب بھی اختیار نہیں فرمایا۔ غزوات میں، مساجد کی تعمیر میں، خندق کھودنے کے وقت صحابہؓ کے ساتھ برابر شریک رہے۔ چٹانیں بھی توڑیں، اینٹیں گارا اور پتھر بھی اٹھائے۔ آپ کی زندگی حرا اور ثور سے حرم تک، مسجد سے امہات المومنینؓ کے حجرات تک، میدانِ جنگ سے بازار تک پھیلی ہوئی ہے جس میں کوئی خلا نظر نہیں آتا۔ آپؐ ایک ہی وقت میں سلطنت اسلامیہ کے سب سے بڑے حاکم، سپہ سالار، سربراہِ مملکت، سوداگر، مزدور، جج، فلسفی، ادیب اور خطیب ہیں۔ ہر موقع پر آپؐ کی رہنمائی کے خطوط نمایاں ہیں۔ آپؐ دنیا کی سربلندی، رہبری اور زندگی کی تعمیر وتکمیل کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ آپؐ کے زیر نظر نئے اخلاقی سانچے اور صراط مستقیم کی نشاندہی کرنا تھی۔ ایسے حالات میں اگر آپؐ کی مخالفت نہ ہوتی، جنگیں نہ لڑی جاتیں تو اور کیا ہوتا۔ حیاتِ طیبہ کی جدوجہد کا منطقی نتیجہ یہی تھا جو پیغمبر اسلام ﷺ کو پیش آیا۔

باب 22

صحابہ کرامؓ۔ اُن کے مقاصدِ جلیل

بساط آرائے شہود نے ایک ایسا انسانِ کامل اور مبلغ اعظم دنیا میں بھیجا جس نے اپنی لازوال جدوجہد اور اپنے مؤثر اسلوبِ خطابت سے عالمِ رنگ و بُو کی کایا پلٹ دی۔ عرب کے معاشرہ کی اقدار تبدیل کر دیں۔ اب وہی قوم جو آثار و انساب کی لغویات میں مقید تھی، ایک منظم جماعت بن کر انسانیت کو اصلاح و نیکی کا سبق دینے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی اور ایک قلیل مدت میں چاردانگ عالم میں اسلام کی تعلیم کا بول بالا کر دیا۔ اس جماعت نے باطل کی بہیمانہ قوتوں کا قلع قمع کیا اور اسلام کا نظام ہی انسان کی عظمت و سطوت کا باعث بنایا۔ سرکارِ دوعالم ایک انقلاب آفریں نظامِ حیات کے داعی تھے۔ آپؐ کی پاکیزہ تعلیم انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط تھی۔ آپؐ نے اپنی تعلیم کی اساس پر جوامت اور پیروکار پیدا کیے، وہ اجتماعی طور پر خدا اور انسانوں کے سامنے مسؤل تھے۔ انہوں نے اسلام کو مسجدوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ اکنافِ عالم تک پہنچایا۔ کھجوروں کے پتوں کی کچی مسجد کے تربیت یافتہ صحابی ایمان و ایقان میں اس قدر پختہ نکلے کہ دنیائے کفر کی تمام بڑی بڑی طاغوتی طاقتیں ان سے ٹکرا کر از خود پاش پاش ہو گئیں۔ یہ صحابہؓ میدانِ جنگ میں سپاہی بھی ہوتے تھے اور آئمہ مساجد بھی۔ یہی لوگ عمالِ حکومت بھی تھے اور بہ یک وقت قاضی و محاسب بھی۔ یہ رزقِ حلال کے لیے تجارت بھی کرتے اور شب بھر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عبادت میں مصروف رہتے۔ مومنین کی یہ صالح جماعت جن کے دل زندہ تھے، یہی وہ سعید روحیں تھیں جن میں ابوبکرؓ صدیق اور فاروق اعظمؓ جیسے خلفاء، خالدؓ اور علیؓ جیسے بہادر، عثمان غنیؓ جیسے سخی، ابوذر غفاریؓ جیسے درویش، بلالؓ اور صہیبؓ جیسے عاشق پیدا ہوئے اور ساری ملت کو صبغۃ اللہ میں رنگ دیا۔

جب جہاد کے لیے پکارا گیا تو نو عمر مجاہد ایڑیاں اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ پردہ کا حکم نازل ہوا تو مسلمان مستورات کی آواز تک نہ سنی گئی۔ غض بصر کے اعلان پر اہل اسلام کی نگاہیں نیچی ہو گئیں۔ شراب کی حرمت نازل ہوئی تو مدینہ کی گلیوں میں ام الخبائث کا سیلاب آ گیا۔ صحابہ کرامؓ ہی وہ قدسی اور روشن ضمیر انسان تھے جنہوں نے غاروں میں، تلواروں کے سائے میں آپ کا ساتھ دیا۔ انصار نے آپؐ کے حکم پر مہاجرین کے لیے اپنا مال و متاع وقف کر دیا۔ آپؐ نے جمہوریت اور اسلامی مساوات کی بنیاد استوار کر دی۔ یہ تھا وہ انقلابِ عظیم اور یہ تھا اُس نبی اُمی کی تعلیم کا ثمرہ۔ کوئی انسان جس بلندی تک پہنچ سکتا ہے، صحابہؓ وہاں تک سربلند ہوئے۔

فاتح مصر حضرت عمروؓ بن عاص جب مصر پر حملہ آور ہوئے تو رومیوں کا ناقابلِ تسخیر قلعہ سامنے تھا۔ اس کی فصیل ساٹھ قدم اونچی اور اٹھارہ قدم چوڑی تھی۔ دریائے نیل اس کے دروازے پر موجزن تھا، جہاں لڑاکا کشتیاں لنگر انداز تھیں۔ قلعہ کے چاروں طرف ایک بڑی خندق تھی جسے عبور کرنا آسان نہیں تھا۔ دروازے کے ساتھ ایک پل بنا ہوا تھا جو قلعہ کے اندرونی طرف کھلتا تھا۔

مشہور مصری مورخ محمد حسین ہیکل کے مطابق، حضرت عمروؓ نے قلعہ کا محاصرہ کیا تو قلعہ والے بھی تیار ہو گئے۔ مقوقس خود بھی قلعہ میں موجود تھا۔ اُس نے سوچ کر قلعہ کے پادری کے ذریعہ حضرت عمروؓ کی خدمت میں سفارت بھیجی اور اپنے مراسلہ میں لکھا کہ دریائے نیل نے تمہیں ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اس سے پیشتر کہ رومی فوجیں تمہیں گرفتار کر لیں، ہمارے پاس اپنا نمائندہ بھیجو، ہو سکتا ہے کوئی ایسی صورت نکل آئے جو دونوں کے لیے یکساں مفید ہو۔

حضرت عمروؓ نے وفد کو دو روز تک اپنے پاس ٹھہرائے رکھا تاکہ وہ مسلمانوں کے عزائم اور اخلاق و کردار سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔ پھر مقوقس کو جواب میں لکھا، ''میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ دین حق قبول کر لو اور ہمارے بھائی بن جاؤ یا جزیہ دے کر امان حاصل کر لو۔ ورنہ ہم صبر و استقلال سے تمہارے ساتھ جنگ کریں گے۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔''

یہ جواب سن کر مقوقس حیران رہ گیا۔ پھر جب رئیس وفد نے اُسے بتایا کہ میں نے ایسی قوم دیکھی ہے جس کا ہر فرد زندگی سے موت کو زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ انکساری اور فروتنی کو غرور پر ترجیح

دیتا ہے۔نماز کے وقت یک جا ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جاتا ہے۔

یہ سُن کر مقوقس نے کہا:

''خدا کی قسم! ایسے لوگ چاہیں تو پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہیں۔ان سے لڑ کر کوئی فتح یاب نہیں ہوسکتا۔''

بالآخر شجاعت، استقامت اور اللہ تعالیٰ کی اعانت کے باعث قلعہ فتح ہوگیا۔

عقبہؓ بن نافع

50ھ میں افریقہ کے عامل حضرت عقبہؓ بن نافع فہری نے تیونس کے علاقہ میں سرحد کی حفاظت کے لیے ایک نیا شہر بسانا چاہا جس کا نام قیروان تجویز کیا۔نیز کہا کہ یہ شہر سمندر کے کنارے سے ہٹ کر آباد ہونا چاہیے تاکہ بحری بیڑہ اچانک حملہ نہ کر سکے۔افواجِ اسلامیہ کے چند سمجھ دار ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ اس جگہ شہر بسانا ممکن نہیں۔اس گھنے جنگل میں بے شمار درندے، خونخوار بھیڑیے، شیر، چیتے، زہریلے سانپ اور سیاہ عقرب موجود ہیں۔جواب میں آپ نے 18 صحابہ کرامؓ اور پسرانِ صحابہؓ کو، جو نوجوان تھے، طلب فرمایا اور خود جنگل کے کنارے کھڑے ہو کر بڑے خشوع سے دو رکعت نماز ادا کی۔دیر تک رو رو کر دعا کرتے رہے، پھر بہ آوازِ بلند کہا:

''اے جنگل کے باسیو! ہم حضورِ اکرمؐ کے صحابی ہیں۔ہم یہاں ایک شہر بسانا چاہتے ہیں۔تم یہاں سے چلے جاؤ۔''

یہ الفاظ تین بار دہرائے۔اس کے بعد لوگوں نے عجیب نظارہ دیکھا کہ تمام جنگلی جانور شیر، چیتے، بھیڑیے، اژدھے اور سیاہ عقرب، ان کے بچے بھی ہمراہ سر جھکائے جنگل سے نکل کر جارہے ہیں۔یہ سلسلہ تین دن تک جاری رہا۔جب جنگل بالکل خالی ہوگیا تو عقبہؓ جنگل میں داخل ہوئے۔ایک جگہ نیزہ گاڑا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر کہا:

''اے اللہ! اس شہر کو علم و فضل سے اور اپنے فرمانبردار بندوں سے بھر دے جو دینِ حق کے لیے باعث قوت ہوں۔''

عجیب بات یہ ہے کہ اس کے چالیس سال بعد تک کوئی موذی جانور یہاں نہ دیکھا گیا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ اپنے ہر خطبہ میں ارشاد فرماتے کہ جو شخص امانت دار نہیں، اس کا ایمان کامل نہیں اور جو عہد کا پابند نہیں، اُس کا دین مکمل نہیں۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو کسریٰ کے خزانوں سے تین کھرب دینار ملے تھے اور بڑی قیمتی اشیا بھی تھیں۔ کسریٰ کا موتیوں سے مرصع تاج اور زرکار پوشاک، سونے کا گھوڑا جس پر چاندی کی زین ڈالی گئی تھی۔ گھوڑے کا سوار بھی چاندی کا مجسمہ تھا جس کے سر پر جواہرات کا تاج تھا۔ ایک چاندی کی بنی ہوئی ناقہ تھی جس کی مہار اور اس کا پالان بھی سونے کا تھا۔ سوار بھی سونے کا جو سر سے پا تک جواہرات سے مرصع تھا۔ سونے چاندی کے بے شمار ظروف تھے۔

مگر کسی مجاہد نے کوئی چیز بھی اپنے پاس نہ رکھی۔ ایک مجاہد کو جواہرات سے پُر ایک ڈبہ ملا۔ اُس نے وہ ڈبہ بھی بیت المال میں جانے والے خزانہ میں جمع کرا دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت سعدؓ نے کہا: ''واللہ! تمام لشکر امین ہے۔''

اس مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ مدینہ منورہ پہنچا تو فاروق اعظمؓ نے حیران ہو کر فرمایا:

''واقعی مسلمان مجاہد امانت دار ہیں۔''

سیّدنا علی مرتضیٰ نے فرمایا:

''اے امیر المومنین! آپ کا دامن پاک ہے، اس لیے رعایا بھی امانت دار ہے۔''

یہ تھے وہ لوگ جنھوں نے رسولؐ اللہ کی دعوتِ اسلام پر سب سے پہلے لبیک کہا۔ یہی وہ نفوسِ قدسیہ تھے جن کی نبی کریمؐ نے تربیت فرمائی اور یہی سرورِ کائناتؐ کے دست و بازو ثابت ہوئے۔ یہ پختہ سیرت بھی تھے، ان کی نگاہوں میں بصیرت، بازوؤں میں قوت اور دل میں خشیت الٰہی تھی۔ ان میں ابوبکرؓ اور فاروق اعظمؓ جیسے عظیم انسان پیدا ہوئے جو وقت کی عظیم ترین سیاسی قوت ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ملّت اسلامیہ کا ادنیٰ خادم سمجھتے تھے۔ ان لوگوں نے اقتدار کے بل بوتے پر رعایا کا مخدوم بننے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ آنحضورؐ کے یہ عالی مرتبت دوست، وہ قدسی انسان تھے جن پر ان کے عہد کی تمام بُرائیاں ختم ہوگئیں۔ نیک سیرت، بیدار مغز، روشن ضمیر، فیاض انسان جس قدر بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے، یہ صحابہؓ ان کمالات تک پہنچے تو قدرت نے بھی ان کے لیے زمین کے تمام پوشیدہ خزانے واگزار کر دیے۔

پیغمبر کائناتؐ سیاسی، اخلاقی اور اعتقادی انقلاب کے داعی تھے۔ آپؐ کی دوررس نگاہیں تاریخ کے دھارے پر تھیں۔ آپؐ کے فیضانِ تربیت سے انسانیت اپنے عروجِ کمال پر پہنچ گئی۔ آپؐ کی حکیمانہ تعلیم نے جو مشاہیر پیدا کیے، ان کے نام افقِ اسلام پر تاحشر درخشندہ وتابندہ رہیں گے۔ یہ لوگ راہب نہیں تھے اور نہ ہی کسی سے خوف کھاتے تھے بلکہ زاہد و عابد تھے، جری اور بہادر تھے۔ ذہین وفطین اور نابغۂ روزگار تھے۔ جب ان کو نبی اُمی سے معارفِ ربانی کی تعلیم ملی تو یہ عارفانِ حق بن گئے۔

تاریخ ان کے عجوبہ طراز زمانے کو عہدِ زرّیں کے نام سے یاد کرتی ہے۔

باب 23

حجتہ الوداع یا حجتہ البلاغ

25 ذیقعد 10ھ بمطابق 22 فروری 632ء معلّم نوع انسانی نے حج بیت اللہ کا ارادہ فرمایا۔ آپ کا اعلان سن کر شرف ہمرکابی کے لیے ایک لاکھ چوالیس ہزار صحابہؓ اپنے محبوب آقا و مولا کی قیادت میں احرام باندھ کر اللہ تعالیٰ کے گھر کا طواف کرنے کے لیے اُمڈ آئے۔ ہدیٰ (جانور) ساتھ لیے۔ ابودجانہؓ بن ساعدی کو، دوسری روایت میں سباعؓ بن عرفطہ غفاری کو مدینہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت حفصہؓ اور دیگر اُمہات المومنین بھی ہمراہ تھیں۔ ذوالحلیفہ کے مقام پر جو اہل مدینہ کی میقات ہے، شب قیام فرمایا۔ دوسرے دن غسل کے بعد حج قران کے لیے احرام زیب تن فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپؐ کے جسم معطر پر عطر لگایا۔ آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور با آواز بلند تین مرتبہ لبیک تلبیہ کے الفاظ دہرائے۔ صحابہ کرامؓ بھی آپ کی تقلید میں بآواز بلند تلبیہ کی تکرار کرتے رہے۔ آپؐ اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ جہاں تک نظر کام کرتی، ہر طرف آدمی ہی آدمی نظر آتے اور تلبیہ کے باعث فضا گونج رہی تھی۔

فتح مکّہ کے دوران جن منازل پر آپؐ نے نمازیں ادا فرمائی تھیں، وہاں مساجد تعمیر ہو چکی تھیں۔ ہر مسجد میں نوافل ادا کیے۔ صرف جس جگہ حضرت اُم المومنین میمونہؓ کا مدفن ہے، غسل فرمایا۔ پھر مقام ذی طویٰ پر شب بھر قیام فرمایا اور اتوار کے دن 4 ذوالحجہ چاشت کے وقت مکّہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ منوّرہ سے مکّہ کا سفر 9 دن میں طے ہوا۔

طواف قدوم شروع کیا۔ حجر اسود کے مقابل بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر استلام فرمایا۔ پہلے

تین شوط میں رمل اور اضطباع بھی فرمایا۔ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان دعا فرمائی۔ سات شوط پورے کیے، بوسہ لیا او مقامِ ابراہیم پر دوگانہ ادا کیا۔ زمزم نوش فرمایا اور صفا و مروہ کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں بھی سات شوط فرمائے۔ ان الصفاء والمروۃ من شعائر اللہ۔ عرب میں ایام حج میں عمرہ ناجائز سمجھا جاتا تھا، اسے جائز فرمایا۔ اس دوران میں آپ ابطح کے مقام پر مکہ میں قیام فرما رہے۔

8 ذوالحجہ کو روانہ ہو کر منیٰ میں قیام فرمایا۔ تمام نمازیں قصر ادا کرتے رہے۔ 9 ذوالحجہ کی صبح بہ روز جمعہ منیٰ سے میدانِ عرفات میں تشریف لے گئے۔ حدودِ حرم اور عرفات کے درمیان خیمہ نصب تھا۔ قیام فرمایا۔ ظہر کے وقت حضرت بلالؓ نے اذان پڑھی۔ ظہر کی نماز ادا فرمائی۔

خطبہ الوداع

اِس موقع پر آپؐ نے ایک الوداعی خطبہ ارشاد فرمایا۔ صحیحین اور ابن عساکر کی روایت کے مطابق شروع ہی میں ارشاد فرمایا:

''لوگو! میں محسوس کرتا ہوں کہ اگلے سال میں اور تم پھر کبھی اس اجتماع میں شریک نہیں ہوں گے۔''

یہ خطبہ گرامی نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ عالمِ انسانیت کے لیے محبت، اتحاد، تنظیم، رواداری اور احترام و ادب کا ایسا عظیم و جلیل منشور ہے جو تا قیامت دنیا کے لیے فلاح و سعادت کا میثاق ثابت ہوگا۔

آپؐ نے جاہلیت کے تمام دستوروں اور رسوم کو باطل قرار دیا اور فرمایا:

''جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔''

آپؐ نے رنگ و نسل اور دولت کی بنا پر ایک دوسرے پر ترجیح کو ختم کیا اور فرمایا:

''لوگو! تمہارا ربّ ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے۔ عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر، سُرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سُرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت کا معیار تقویٰ ہے۔''

آنحضرتؐ نے مسلمانوں کے درمیان رشتہ اخوت قائم کرتے ہوئے فرمایا:

''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔''

آپؐ نے غلاموں کے حقوق کے بارے میں فرمایا:

''جو تم کھاؤ وہی اپنے غلاموں کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔''

وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔

انتقام انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ سود خوری انسان کے حرص و شقاوت کی انتہا ہے۔ بیوی کے ساتھ حاکمانہ برتاؤ مرد کی سرشت ہے۔ آپؐ نے ان کمزوریوں کا قلع قمع کرتے ہوئے اور عملی اقدام کرتے ہوئے فرمایا:

''جاہلیت کے تمام خونوں کے انتقام باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے خون کا انتقام باطل قرار دیتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام سُود بھی باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سود یعنی عباسؓ بن عبدالمطلب کا سود کالعدم کرتا ہوں۔ عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔ تمہارا حق ان پر ہے اور ان کا حق تم پر ہے۔''

رحمتؐ عالم کے یہ آخری کلمات ہیں۔ وقت آخر بھی آپؐ کے منہ سے جو بول نکلے، وہ انسانیت کی فلاح اور مظلوم کی حق رسی ہی سے متعلق تھے۔ اس کے بعد آپؐ نے تنظیم، اتحاد اور وحدتِ کلمہ کی طرف دعوت دی اور فرمایا:

''میرے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی امت وجود میں آئے گی۔''

پھر ارشاد ہوا:

''لوگو! قیامت کے دن تم سے میری بابت بھی دریافت کیا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟''

حاضرین نے جواب میں عرض کیا:

''ہم شہادت دیتے ہیں، آپؐ نے فریضہ تبلیغ ادا کر دیا ہے۔ احکامِ الٰہی ہم تک پہنچا دیئے۔ رسالت و نبوت کا حق پورا کر دیا۔''

آپؐ نے انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائی اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اے اللہ! گواہ رہنا...... اللھم اشھد۔''

آپؐ خطبے سے فارغ ہوئے تو فوراً یہ آیت نازل ہوئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔

گویا اس وقت اللہ بزرگ و برتر نے بھی گواہی دے دی کہ ہمارا نبیؐ فرض سے فارغ ہو گیا۔ اب اس کی جگہ عالمِ خاکدان نہیں، عرش معلّٰی ہے۔

خطبہ سے فارغ ہوئے تو قرآن پاک جو 23 سال مسلسل نازل ہوتا رہا، جبرئیل امینؑ نے اُس کی تکمیل کا اعلان کر دیا۔ مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی، جو سورہ مائدہ میں ہے۔

بعد ازاں عصر کی نماز ادا فرمائی۔ عصر سے غروبِ آفتاب تک بڑے تضرع خشوع اور انکساری سے دعا فرماتے رہے۔ پھر مزدلفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر اذان پڑھی گئی تو نمازِ مغرب ادا فرمائی۔ دوسری تکبیر اسی اقامت میں نماز عشاء بھی ادا فرمائی۔ مشعر الحرام میں صبح تک آرام فرمایا۔ اوّل وقت پر صبح کی نماز با جماعت ادا فرمائی۔ تسبیح و تہلیل میں مصروف رہے۔ وادیٔ محسّر میں تیزی کے ساتھ نکل جانے کا حکم دیا۔ منیٰ میں پہنچ کر جمرۃ العقبہ پر کنکریاں ماریں اور اس رمی کے بعد تلبیہ موقوف فرما دیا۔ پھر آپ قربان گاہ میں تشریف لے گئے۔ ایک سو میں سے تریسٹھ اونٹ بدست خود ذبح فرمائے۔ بقایا حضرت علیؓ نے ذبح کیے۔ ازدواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے ذبح کی گئی جس کا کچھ حصہ پکوا کر خود بھی نوش جان فرمایا۔

قربانی سے فارغ ہو کر معمرؓ بن عبداللہ سے پہلے دائیں طرف پھر بائیں جانب سے حلق کرایا اور بال بطورِ تبرک حضرت ابوطلحہ انصاریؓ اور ان کی بیوی اُم سلیمؓ کو عطا فرمائے۔ اس کے بعد سواری پر مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔ سواری پر ہی طواف (زیارت) الافاضہ ادا کیا۔ مقام ابراہیمؑ پر دوگانہ ادا کیا۔ حضرت عباسؓ نے زمزم پیش کیا۔ آپؐ نے کھڑے کھڑے نوش فرمایا اور واپس منیٰ میں تشریف لے آئے۔ ظہر کی نماز منیٰ میں ادا فرمائی۔ گیارہ تاریخ کو بعد زوال رمی جمار فرمائی۔ دیر تک دعا فرماتے رہے۔ 12 اور 13 ذوالحجہ کو بھی رمی جمار فرماتے رہے۔ ان ایام تشریق میں منیٰ ہی میں خواب استراحت فرماتے رہے۔ 13 ذوالحجہ سہ شنبہ، زوال کے بعد منیٰ سے روانہ ہو کر وادیٔ محصب (ابطح) میں قیام فرمایا۔ رات کے پچھلے پہر حرم میں تشریف لے آئے۔ طواف الوداع کے

بعد نمازِ صبح ادا فرمائی اور 14 ذوالحجہ کو مدینہ منورّہ کو مراجعت فرما ہوئے۔

آج دین کی تکمیل ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں مکمل کردی گئیں۔ حضور اکرمؐ کا آخری خطبہ بھی انسانیت کے بلوغ و ارتقاء کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس خطبہ نے تمام سابقہ دساتیر و قوانین پر خط تنسیخ کھینچ دیا اور تمام نوع انسانی کو ایک عالمگیر برادری قرار دے کر شرفِ انسانیت اور تقویٰ کو وجہ تعظیم و تکریم قرار دیا۔ جب دین کی تکمیل کا اعلان ہوا تو دین کا آئین بھی صحیح خطوط پر متشکل ہو کر زندگی کے صحیفہ پر ثبت ہوگیا۔ زمانے کی جبیں سے تمام کثافتیں صاف ہوگئیں۔ وہ نظامِ حیات جسے خلاق فطرت نے انسان کے لیے تجویز کیا تھا، جاری و ساری ہوگیا۔ زمانہ بھی اپنے ازلی نقطہ پر مرتکز ہوگیا اور یہی مقصودِ فطرت تھا۔ یہی رشد و ہدایت کی آخری کڑی تھی جو حضرت آدم صفی اللہ سے لے کر مسیح ابن مریم تک سلسلہ وار جاری رہی اور آخر کار نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم پر منتج ہوئی۔ اب تمام کائنات خالق حقیقی کی حمد و ثنا میں نغمہ سنج ہے۔ خود خدا اور اُس کے فرشتوں نے بھی نبی پاکؐ کی تکمیل کار اور حسن عمل پر تبریک و تہنیت کے پھول برسائے۔ انسان صراط مستقیم پر گامزن ہے۔ زمین پر خدا کی بادشاہت قائم ہوگئی۔

رسولُ اللہ کی مختلف حیثیتیں

بلاشبہ پیغمبر ایک انسان ہوتا ہے لیکن وہ حاملِ منصب نبوت اور اخلاق و صفات رسالت کا شارح ہوتا ہے۔ وہ بھی خدا کی حاکمیت کو تسلیم کرتا ہے۔ اس کے پائے استقلال کو ثبات و استقامت چومتے ہیں۔ ہر مقام پر وحی الٰہی اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ اب تمام عرب کے قبائل و شعوب اور تمام اقوام و ملل ایک رشتہ مواخات میں منسلک ہوگئے ہیں اور یہ خاکدان ارضی جو انسان کی بربریت کے ہاتھوں جہنم کا نمونہ بن چکا تھا، سرور کائناتؐ کے عالمگیر پیغام اور رحمت کے طفیل جنت بن چکا ہے۔ نیز انسانیت بھی اپنی معراج کبریٰ تک پہنچ چکی ہے۔ تاج دار کونؐ و مکاں کی نبوت اور صداقت از خود براہین قاطعہ ہے۔ آپؐ کے سوانح حیات اور حالاتِ زندگی جامع اور مکمل ہیں۔ آپ کے وجودِ گرامی اور ظہور اقدس سے قیصر و کسریٰ کی شہنشاہیت مٹ گئی۔ آپ کی ہیبت و سطوت کے سامنے تاج دارانِ عالم کے تخت و تاج نیست و نابود ہوگئے۔ حیات طیبہ میں عرب و یمن کی شہنشاہی آپؐ کے

قدموں پر سرنگوں تھی۔ کائنات کے تمام خزانے اور طاقتیں ربّ السمٰوات و الارض کی پیدا کردہ تمام قوتیں آپ کے سامنے سربسجود تھیں۔ بایں ہمہ آپؐ نے اپنی دنیوی زندگی کے لیے کسی قسم کی راحت و آسائش قبول نہ فرمائی بلکہ عمر بھر دو وقت کبھی سیر ہو کر ما حضر بھی تناول نہ فرمایا۔ کئی کئی دن آپ کے حجرے کے چولہے میں آگ نہ جلی۔ آپ کا مطبخ عموماً سرد رہتا۔ حضرت عائشہؓ کا قول ہے، آنحضورؐ پر زندگی میں شاید ہی کوئی ایسا دن آیا ہو کہ دو وقت غذا میسر آ سکی ہو۔ دراصل اس روحِ مقدس اور پیکر صبر و رضا کی غذا اس خاکدانِ ارضی پر نہ تھی بلکہ آپ کا سفرۂ لذائذ و نعائم خدائے اقدس کی بارگاہ عالیہ میں تھا۔ فتوحاتِ اسلامیہ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا لیکن آقائے نامدارؐ محبوب رب المشرقین والمغربین کی زندگی سر بسر فقیرانہ رہی۔ شہنشاہ کونین کے اخلاق حسنہ، محامد و محاسن اور سیرت طیبہ کے فضائل اس قدر بلند و ارفع ہیں کہ خود قدرت کو بھی آپ کے خلق عظیم کا اعتراف کرنا پڑا۔ رسولؐ ایک مربی اور معلّم کی حیثیت سے انسانوں کو تزکیۂ نفس کی تعلیم دیتا ہے اور انسانیت کے بلند مدارج پر فائز المرام ہو کر انسانیت میں بالیدگی پیدا کرتا ہے۔ رسول اللہؐ کی ہموار اور یکساں زندگی میں ایک تنوع اور بوقلمونی پیدا ہوئی تو آپ کی سعی و کاوش اور تگ و تازحق کے غلبہ اور دین کے استحکام کے لیے مخصوص ہو گئی۔ آپؐ نے اپنی پاکیزہ زندگی کے اَنمٹ آثار چھوڑے ہیں۔ آپؐ کا ظہور تاریخ انسانی میں ایک حد فاصل ہے۔ آپ نے حقائق عقلیہ کی توجیہ بھی فرمائی ہے۔ آپؐ نے انسانی بصیرت کو نہ صرف جلا بخشی بلکہ جو نظامِ حیات تجویز فرمایا، وہ کسی مافوق الفطرت کرشمہ یا معجزات کے زور سے نافذ نہیں فرمایا بلکہ علمِ دلیل و برہان اور حکمت عملی سے منوایا کیوں کہ خود خدا اور اس کا کلام بھی ایک قاطع دلیل اور حجت بالغہ ہے۔ آنحضورؐ کی شانِ جمالی کا کمال ہے کہ آپؐ میں شرافت، اخلاق، نرمی، نیکی، خوش خلقی، چشم پوشی، فراخ دلی، انکسار، عفو و کرم جیسے اوصاف حمیدہ بدرجۂ اتم موجود تھے۔

آنحضورؐ کی عادت مستمرہ تھی کہ ملاقات کے وقت آپ کا چہرہ مبارک متبسم ہوتا۔ جابرؓ بن سمرہ نے آپؐ کے روئے منور کو چودھویں کے چاند سے تشبیہ دی ہے۔ ربیعؓ بن مسعود اور کعبؓ بن مالک کی روایت ہے کہ آنحضورؐ کے روئے مبارک کے جس حصہ پر نظر پڑتی آفتاب درخشندہ کی طرح نظر پڑتا۔ سراجاً منیراً۔

نبی جامع علوم وکمالات ہے۔ فصیح و بلیغ ہے۔ بلند حوصلہ، نفیس طبع، فہیم و ذہین اور صائب الرائے ہے لیکن اپنی معاشی زندگی میں لباس کی تراش وضع قطع میں کوئی امتیازی شان نہیں رکھتا۔ وہی عربوں کی سی سادہ معاشرت، وہی طرزِ زندگی ہ مسجد سے میدانِ کارزار تک نمونہ تقلید ہے۔ درون خانہ اور باہر کسی پرائیویٹ اور پبلک زندگی کی تقسیم نہیں ہوتی۔ ظاہر و باطن یکساں ہے اور حیات طیبہ کی یہی خصوصیت ہے جو تمام بنی نوع انسان کے لیے زندگی کا نصب العین قرار پاتی ہے۔ اب رسولؐ اللہ ایک سلطنت کے سربراہ ہیں مگر سادگی کا یہ عالم ہے کہ اپنا جوتا خود مرمت کر لیتے ہیں۔ صحابہؓ جنگ میں جاتے ہیں تو ان کے گھروں کا کام کاج اور ان کے مویشیوں کا دودھ بھی دوہتے ہیں۔ کوئی امتیازی شان افضلیت یا علیحدہ لقب اختیار نہیں فرماتے بلکہ تمیز بندہ و آقا مٹا دیتے ہیں۔ ایک سلطنت کے مالک ہو کر بھی فقر و غنا پسند فرماتے ہیں۔ بلاشبہ تخت نشین آپؐ کے قدوم میمنت لزوم کو بوسے دیتے ہیں لیکن آپ بوریے پر ہی تشریف رکھتے ہیں۔ کپڑوں میں پیوند لگا لیتے ہیں۔ عسرو افلاس کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ باوجود استطاعت کے استغنا اور فروتنی اختیار فرماتے ہیں۔ مجلس آرائی فرماتے ہیں تو محفل میں حسن ذوق، سنجیدگی، متانت، پاکیزگی اور شگفتگی ہوتی ہے۔ گھٹن اور افسردگی نہیں ہوتی۔ انتہائی تعظیم اور تقدس کے باوجود ہر طرف بشاشت برستی ہے۔ آنحضور کی اقدارِ زندگی میں معجزات بھی نظر آتے ہیں اور ایک عملی انسان کی بھرپور زندگی بھی ملتی ہے۔ نبی اکرمؐ نے اپنی وسعت قلب اور خلوصِ عمل سے قلیل مدت میں صدیوں کے پندار نسل اور غرور بھی ختم کر دیئے اور عظیم گھرانے میں اجنبی نسل کے لوگوں کو جذب ہونے کے مواقع فراہم کیے۔ اپنے عالی مرتبت خاندان میں غلام بھی نوازے جاتے ہیں اور لونڈیوں کو بھی سرفراز فرمایا جاتا ہے۔ بلاشبہ شرف وشعور کے لحاظ سے آپ کے ہم پلہ کوئی بشر نہیں ہو سکا۔ لیکن آپ فاروقؓ و بلالؓ کو ایک صف میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ آپؐ کے زمانہ میں انسانیت تمدنی، معاشی اور اقتصادی بحران میں مبتلا تھی۔ آپؐ نے آدمیت کی تشکیل نو فرمائی۔ انسانیت ایک خشک نیستاں کی مانند تھی، آپؐ نے اسے نور افشاں کر دیا۔ دراصل رسول اکرمؐ کا کائناتی شعور بیدار کیا گیا تھا۔ آپ کے ادراک میں نورانیت بھر دی گئی۔ آپؐ ایک ایسے بلند مقام پر فائز تھے جس کا تصور بھی مشکل ہے۔ آپ کو فوق البشر کی سیرت ودیعت کی گئی جس نے انسان کو مقام محمود پر متمکن کر دیا۔ آپ نے عبد و معبود کے تمام درمیانی پردے اٹھا دیئے۔

بے پناہ مصائب کے دوران استقلال واستقامت سے تمام مہمات کا مقابلہ کیا اور فتح و کامرانی میں تحمل وعفو سے کام لیا۔ سلطنت کی بنیاد خدا پرستی، پُراثر نمازوں اور دعاؤں پر رکھی۔ آپ بے پناہ قوتِ ارادی کے مالک تھے۔ ایک نظامِ دین کے داعی اور آسمانی بادشاہت کے بانی تھے۔ یہ آپ کا جذبِ کامل تھا کہ حقیقت دفعتاً بے نقاب ہوکر آپؐ کے سامنے مسکرانے لگی۔ اسی نور کی روشنی میں آپؐ نے ارادہ فرمایا کہ انسان کو اس کے صحیح مقام سے روشناس کرایا جائے۔ چنانچہ مسلسل جدوجہد، بے پناہ تگ وتاز سے دنیا کو صراطِ مستقیم دکھائی۔ عمر بھر مصائب وآلام برداشت کیے۔ اگر آپؐ کی حیات طیبہ پر غور کیا جائے تو بعثت سے لحہ وصال تک یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح نظر آتی ہے کہ آپؐ کی ذاتِ گرامی سے بڑا انسان آج تک خطۂ ارضی پر نہ ہوسکا اور نہ حشر تک ہوگا۔ آپؐ کے پیکر انسانی کی معراج کمال ہے کہ آپ سیرتِ محمدیہ کے نور میں مجسم ہوکر تشریف لائے۔

باب 24

عادات وخصائل

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ یادِ الٰہی میں محو رہتے۔ نماز آنکھوں کی ٹھنڈک تھی۔ ہر نماز کے وقت تازہ وضو فرماتے۔ کبھی ایک وضو سے کئی نمازیں ادا فرماتے۔ فرائض مسجد میں، سنتیں اور نوافل تہجد حجرے میں ادا فرماتے۔ نماز باجماعت حضورِ قلب اور خشوع سے ادا فرماتے۔ وقت کا خاص خیال رکھتے۔ قرأت متوسط آواز میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے۔ صبح کی نماز میں عموماً سورۃ المومنون، علق اور ھل اتی قرأت فرماتے۔ ظہر اور عصر کے وقت چھوٹی سورتیں خاموشی سے، مغرب کے وقت کافرون، اخلاص، عشاء میں والتین، والضحیٰ سبح باسم ربک الذی قرأت فرماتے، عشا کے بعد آرام فرماتے۔ دو تہائی رات کو بیدار ہو کر مسواک اور وضو کر کے تہجد کے نوافل میں طویل قیام فرماتے، یہاں تک کہ قدمِ مبارک متورم ہو جاتے۔ طہارت کے بعد فوراً تیمم فرما لیتے۔ صحابہ کرامؓ کے سوال پر فرمایا، وضو کے لیے پانی کا انتظار نہ کیا جائے۔ شاید یہی زندگی کی آخری سانس ہو۔ (ترمذی مشکوٰۃ بخاری شریف)

حاجت مندوں کے سوال قبول فرماتے۔ کوئی بات ناگوار یا گراں گزرتی تو خاموشی اختیار کرتے یا گریز فرماتے۔ کبھی اصحابِ صفہ کے چبوتروں پر یا منبر پر خطاب فرماتے تو ہاتھ میں عصا رکھتے۔ میدانِ جنگ میں کمان پر ٹیک لگا لیتے۔ جمعہ اور عیدین کے خطبے مختصر مگر پُر اثر ہوتے۔ ہمیشہ حق بات ہی زبانِ مبارک سے نکلتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جسے حکمت عطا ہوئی، اُسے خیر کثیر ملی۔ حضور سرورِ کائناتؐ نے اپنی حیات طیبہ میں خیر کثیر کا سب سے زیادہ حصہ پایا۔ آپؐ کے مختصر احکامات حکمت کے بحرِ بے کراں ہیں، فرمایا:

''نیکی کو حقیر نہ سمجھو، راستے کی رکاوٹ دُور کرنا اور مسکرا کر پیش آنا بھی نیکی ہے۔''

آپؐ جامع الکلام تھے۔ آپ کی گفتگو کا ادبی معیار بہت بلند تھا۔ بہترین اسلوب کے ساتھ آپ نے نئی نئی ترکیبیں، تشبیہیں اور تمثیلیں وضع فرمائیں۔ خندہ روئی سے روئے مبارک ہمیشہ متبسم رہتا۔ موضوع کے لحاظ سے فصیح و بلیغ الفاظ کا انتخاب فرماتے۔ لب و لہجہ اور زورِ بیاں مدلّل ہوتا۔ ایک دعا میں فرمایا:

''اے اللہ! مجھے حق و باطل میں امتیاز عطا فرما تاکہ حق کا ساتھ دے سکوں۔ مجھے صبر اور شکر کی توفیق دے۔ اپنی نظر میں چھوٹا اور دوسروں کی نگاہ میں بڑا بنا۔''

نیز فرمایا: ''اُوپر کا دینے والا ہاتھ لینے والے نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔''

منصب رسالت کی ذمہ داریاں مہمات کے مسائل، گھریلو حالات، معاشرہ کی اصلاح، تحریک دین حق کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا پیغمبری عزائم کا معجزہ ہے۔ آپ کی ذات دائمی عمل کا نمونہ اور ایک عالمگیر سرچشمۂ ہدایت ہے۔ آپؐ کی زندگی صبر و قناعت، مسلسل جدوجہد کا آئینہ ہے۔ آپ عموماً خاموش رہتے لیکن اس سنجیدگی اور متانت کے عالم میں بھی روئے مبارک پر مسرت جھلکتی، رفتار میں عظمت و وقار واضح تھا۔ قدم مضبوط رکھتے۔ قامت کا آگے کی طرف جھکاؤ جیسے اونچائی سے اتر رہے ہوں یا چڑھائی پر چڑھ رہے ہوں۔ جسمانی طاقت میں بھی یگانہ تھے۔ قریش کے سب سے بڑے پہلوان رکانہ کو آپؐ نے دو دفعہ پچھاڑا۔

سفر و حضر میں اشیا ساتھ رکھتے، تیل، کنگھا، سُرمہ، قینچی، مسواک، آئینہ اور چھڑی۔ لبوں اور ریش مبارک کے بال ہموار کرتے۔ سونے کے وقت سُرمہ لگاتے، سیدھی طرف سوتے، سورۂ اخلاص اور دیگر سورتیں پڑھ کر سوتے۔ اسلامی فتوحات کے باعث سلطنت کے دارالخلافہ مدینہ منورّہ میں زر و مال کا سیلاب آ گیا تھا لیکن آپؐ نے اپنی ذات، اپنے خاندان کے لیے ہمیشہ سادگی اور عسرت کو پسند فرمایا۔ کوئی اندوختہ بھی پاس نہیں تھا۔

عموماً فاقہ کرتے لیکن جسم مبارک ترو تازہ رہتا۔ اعضا اور جوڑوں کی ہڈیاں مضبوط تھیں۔ چھاتی پر بالوں کی پتلی سی لکیر، کندھے اور سینہ فراخ، ہاتھ کی تلیاں نرم گداز، ریشم کی طرح ملائم، انگلیاں پتلی، پاؤں کے تلوے گہرے، ایڑیاں پتلی، پاؤں ترو تازہ۔

جانوروں کو چارہ ڈالتے، دودھ نکالتے، گھر میں بڑے پیار اور خلوص سے رہتے۔ گھر کے برتن، مٹی اور تانبا کے تھے۔ چارپائی بان کی، بستر بوریے کا جوڑ ہرا کر کے بچھا لیتے۔ دسترخوان کھجور کے پتوں کی بُنی ہوئی چٹائی تھی۔ ثرید، شہد، سرکہ، کھچڑی، مکھن اور لوکی پسند فرماتے۔ دودھ کے ساتھ کھجور کھا لیتے۔ ستو اور میٹھا پکوان بھی کھایا۔ بکری کا دودھ جو کافی دیر کا ڑھا گیا ہو، پسند تھا۔ بادام کے ستو کھانے سے انکار فرمایا۔ شہد کا شربت نوش فرماتے۔ ہر لقمہ پر بسم اللہ پڑھتے۔ کھانا کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھو لیتے۔ وقت پر جو کچھ میسر ہو، کھا لیتے۔ کھانے میں تین انگلیاں استعمال فرماتے۔ ہمیشہ دائیں ہاتھ سے کھاتے۔ پانی تین سانس میں نوش فرماتے۔ مُرغی اور مچھلی بھی استعمال فرمائی۔ زیتون، گوشت، ککڑی، جو کی روٹی، دلیہ پسند خاطر تھے۔ آپ کی روٹی بغیر چھنے آٹے کی ہوتی۔ دودھ اور شہد کے حریرے کی تعریف فرمائی۔ چقندر بدن کو تقویت دیتا ہے۔ ہانڈی کی کھرچن سے شوق فرمایا۔ حاضرین کو کھانے میں شامل فرما لیتے۔ رات کو خالی پیٹ سونے سے منع فرمایا کہ انسان جلد ضعیف ہو جاتا ہے۔ گھر میں کوئی اچھی چیز پکے تو پڑوسیوں کو بھی بھیج دیتے۔ ہدیہ سوغات قبول فرما لیتے۔ صدقہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ چھینک کے بعد الحمدللہ فرماتے۔ سفر کے لیے جمعرات کے دن نکلتے۔ قافلے میں ساتھیوں کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے۔ معصوم بچوں سے پیار کرتے۔ حضرت ابراہیمؓ اور امام حسنؓ و حسینؓ کو گود میں اٹھاتے اور کھلاتے۔ حضرت ابراہیمؓ کی وفات پر دیر تک غمناک رہے۔ بچوں اور شہروں کے اچھے نام رکھتے۔ گھوڑے کی سواری پسند تھی۔

آپؐ کے کاندھوں پر نبوت اور حکومت کی عظیم ذمہ داریاں تھیں۔ ہر کام میں وزراء سے مشورہ فرماتے۔ کبھی کبھی باغ کی سیر کو جاتے۔ تالاب میں تیرتے، بارش میں نہاتے۔ تیراندازی کی مشق کرتے۔ خط پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھواتے۔ شعر کا ذوق بھی بہت بلند تھا۔ حضرت حسانؓ بن ثابت سے منبر پر بیٹھ کر شعر سنتے۔ اشعار کی اصلاح بھی فرمائی۔ نیز فرمایا کہ مومن تلوار اور زبان سے بھی جہاد کرتا ہے۔

لباس

ہمیشہ چادر اوڑھتے۔ کبھی اُسے تکیہ بنا لیتے، کبھی مہمانوں کے لیے بچھا دیتے۔ نیا پیراہن جمعہ کے دن شکرانے کے ساتھ پہنتے۔ کپڑے کو پیوند لگا لیتے۔ یمنی چادریں جن پر سُرخ سبز دھاریاں

ہوتیں، پسند خاطر تھیں۔ طلیسائی جبہ جس پر ریشمی گوٹ تھی، زیب تن فرمایا۔ جرابیں، موزے بھی پہنے۔ ریشم، حریر اور سونا، مردوں کے لیے حرام فرمایا۔ لباس میں ستر، موسمی تحفظ، پاکیزگی اور عزتِ نفس کو برقرار رکھتے۔ تہہ بند استعمال فرماتے۔ پاجامہ خریدا، پہن کر پسند فرمایا جو ترکہ میں موجود تھا۔ عمامہ سفید یا شتری رنگ کا ہوتا۔ ایک بالشت گردن پر چھوڑتے تاکہ لُو سے محفوظ رہے۔ عمامہ کے اندر ٹوپی کو اسلامی ثقافت کا نشان قرار دیا۔ گھر صاف ستھرا رکھتے کہ نظافت کو نصف ایمان فرمایا۔ تولیہ بھی استعمال فرمایا۔

آپؐ امانت داری، صداقت شعاری، حُسنِ اخلاق، نیک نفسی، دانش مندی و سنجیدگی، ضبطِ نفس، حلم و وقار، عالی ظرفی، شانِ رہبری، شرافت نسبی جیسے اوصافِ حمیدہ سے متصف تھے۔ شکل و صورت، نشست و برخاست اور شائستہ اطوار سے عظیم و جمیل شخصیت نمایاں تھی۔ آپؐ نفاست، پرہیزگاری، طہارت، عفت، کریم النفسی، ہمدردی و فیاضی کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ شائستگی، ذہانت، فراست، راست بازی، عزم کی پختگی، استقامت، صبر و تحمل، قول و عمل میں مطابقت، تعصبات سے پاک، عفت و پاکیزگی، آپؐ کا شیوہ تھا۔ آپؐ کی زندگی کا ہر پہلو معلوم و معروف اور آپؐ کا پیغام تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ ع

یہ وہ حقیقت ہے جس میں کوئی مجاز مرسل نہ استعارہ

رحم و کرم

جنگ احد میں دندان مبارک شہید ہو گئے تو صحابہؓ نے عرض کیا کفار کے لیے بددعا فرمائیں۔ جواب میں فرمایا:

''میں سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

فتح مکہ میں عکرمہؓ بن ابوجہل جس نے دو صحابہؓ کو تیر مار کر شہید کر دیا تھا، اس کی اہلیہ پیش ہوئی تو آپؐ نے معاف فرما دیا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے حضرت حمزہؓ کا جگر چبایا تھا۔ اُسے اور وحشی کو بھی معاف کر دیا۔ ہبار جس نے آپؐ کی صاحب زادی کو پتھر مارا، اُسے بھی بخش دیا۔ حاتم کی صاحب زادی کی وجہ سے قبیلہ کے تمام اسیر رہا کر دیئے۔ ایک درخت کی چھاؤں میں آرام فرما

رہے تھے کہ بدوی سردار ذوالثور نے تلوار کھینچ کر کہا:

''اب آپ کو کون بچائے گا۔''

آپؐ نے فرمایا:

''اللہ......!''

خدا تعالیٰ کا نام سُن کر اُس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ اب آپؐ نے تلوار سنبھال کر پوچھا:

''تمہیں کون بچائے گا۔''

وہ مایوس ہو کر کانپنے لگا۔ آپؐ نے معاف کر دیا۔ وہ ایمان لے آیا۔

آپؐ نے دیکھا ایک کنویں کے کنارے ایک چوپایہ پیاس کی وجہ سے ہانپ رہا ہے۔ آپؐ نے پانی نکال کر اُسے پلایا۔ ایک صحابیؓ چڑیا کا آشیانہ اٹھا لایا جس میں بچے چوں چوں کر رہے تھے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ ''اسے وہیں رکھ دو۔ بے زبان جان داروں پر ترس کھایا کرو۔''

بازار میں تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک گندم کا ڈھیر لگا تھا۔ اس میں ہاتھ ڈالا۔ اندر سے دانے بھیگے ہوئے نکلے۔ فرمایا:

''دھوکے سے کوئی شے فروخت کرنا اچھا نہیں اور دنیا و دین کے کسی معاملہ میں بھی اس کی گنجائش نہیں۔''

جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جاتے، خواہ غیر مسلم کا ہو۔ میت کے لواحقین کو تسلی دیتے۔ دعا میں ایک مسلمان نعمتوں کا طالب تھا۔ آپؐ نے سُن کر فرمایا نعمت کی تکمیل جنت ہے۔ دوسرا صبر کا طالب تھا، فرمایا تم نے پریشانی کی دعا کی تھی، اب صبر کی استدعا کر رہا ہے۔ تیسرے مسلمان کے لب پر یا ذوالجلال والاکرام تھا۔ آپؐ نے فرمایا، جو دعا کرے گا قبول ہو گی۔ (ترمذی)

ایک یہودی کے سوال پر فرمایا:

''مجھے آسمانی کتابوں کا علم دیا گیا ہے۔ تمہارے سردار کے گناہ کی تعزیر تورات کے فلاں صفحے پر درج ہے۔''

مدینہ منوّرہ کے نواح میں قافلہ آیا۔ آپ کو ایک اونٹ پسند آ گیا۔ اُس کی نکیل پکڑ کر تشریف لے آئے۔ اہل قافلہ پریشان تھے کہ قیمت ادا نہیں کی۔ قافلے کی مالکہ نے کہا:

''میں نے آپ کا چہرہ دیکھا ہے جو چاند کی مانند چمک رہا تھا۔ وہ قیمت ضرور بھیج دیں گے۔ اگر رقم نہ آئی تو میں اپنی گرہ سے ادا کردوں گی۔''

آپؐ نے مدینہ پہنچ کر قیمت بھجوادی۔

بچوں سے محبت فرماتے۔ فرمایا، یہ باغ کے پھول ہیں۔ ان کو گود میں اٹھا لیتے۔ بوڑھے لوگوں کا احترام فرماتے۔ بکری کا دودھ نکال لیتے۔ جانوروں کو چارہ ڈالتے۔ سودا سلف بازار سے خرید کر کپڑے میں باندھ کر لاتے۔

باب 25

تکمیلِ کار

سیّد العالمینؐ کی زندگی تمام جمال آفرینیوں، تابناکیوں، حرارت انگیزیوں کے ساتھ جمال افروز ہے۔ اب مکاشفے شروع ہو جاتے ہیں کہ کام کی تکمیل ہو چکی ہے۔ کائنات کی ہر شے کا طبعی خاتمہ لازمی ہے۔ سید العالمینؐ بھی ایک انسانِ کامل ہے۔ اس کے لیے موت کا ذائقہ چکھنا لازمی ہے کہ یہی موت حیاتِ ابدی کا پیش خیمہ ہے۔ اسی طرح ایک عظیم الرتبت پیغمبر کو بھی ازلی اصول سے مفر نہیں۔

اب دینِ حق امصار و بلاد میں کارفرما ہے۔ اچانک ایک دن ممدوحِ کائناتؐ مسجد کے منبر پر کھڑے ہو گئے جب حاضرین کی آنکھیں مرکز حیا و نور پر مرکوز ہو گئیں تو فرمایا، ''اگر کسی کے ساتھ میری طرف سے زیادتی ہوئی ہو یا کسی کا کوئی حق ہو تو آج وصول کر لے۔''

اس پر ایک صحابی حضرت سوادؓ بن غزیہ اٹھے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ! آپؐ نے جنگ بدر کے موقع پر میرے برہنہ جسم پر تیر کے دستہ سے کچوکا دیا تھا۔''

آپؐ نے قمیص مبارک اتاری اور چھڑی اُس کے ہاتھ میں دے دی۔ وہ بے تابی سے بڑھا اور حضورؐ کے سینہ مبارک پر بوسہ دے کر ادب سے پیچھے ہٹ گیا۔ (ابن ہشام)

پہلے رمضان شریف میں آپ دس دن اعتکاف فرمایا کرتے تھے لیکن 10ھ میں 20 دن اعتکاف فرمایا۔ اسی رمضان میں حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ دو دفعہ قرآنِ کریم کا دور فرمایا۔ صفر میں جنگ احد کے شہداء کے مزار پر تشریف لے گئے۔ نماز جنازہ ادا فرمائی۔ نیز فرمایا، ہم بھی تمہارے

ساتھ ملنے والے ہیں۔ایک خطبہ میں اشارتاً فرمایا:''میں حوضِ کوثر پر جا رہا ہوں۔''

سفرِ آخرت

21 سال کے نوجوان حضرت اسامہؓ کی زیر قیادت شام کی طرف لشکر روانہ فرمایا۔ رات اٹھ کر جنت البقیع میں تشریف لے گئے۔ فاتحہ پڑھی۔ 63 برس کی عمر تھی کہ مزاج گرامی ناساز ہوا تو ہر سانس، ہر بات میں صحابہ کرامؓ کو اسلام کے نقطۂ ماسکہ اور عروۃ الوثقیٰ کی طرف توجہ دلائی۔ صبح بیدار ہوئے تو غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اثاث البیت کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کاشانہ نبوت میں سات دینار ہیں۔ فرمایا:

''انہیں تقسیم کر دیا جائے۔ مجھے شرم آئے گی کہ رسولؐ اپنے خالق حقیقی سے ملے تو گھر میں دنیا کی دولت جمع ہو۔''

آپؐ کے ارشادِ عالیہ کے مطابق گھر کے تمام اثاثہ کا جائزہ لیا گیا تو ترکہ میں ایک سفید خچر جو شاہِ حبشہ نے بھیجا تھا اور کچھ اوزار نکلے۔ یہاں تک کہ آخری رات کاشانہ رسولؐ میں چراغ روشن کرنے کے لیے تیل بھی موجود نہ تھا۔ ع

اثاثِ بیت نبوت ہے بوریا و حصیر

یہ اس کامل و اکمل انسان کا گھر تھا جس کے قدموں میں دنیا و جہان کی دولت کھنچی چلی آ رہی تھی اور جو عرش پر اللہ تعالیٰ کے مہمان تھے۔

ابو سعیدؓ خدری کی روایت ہے کہ طبیعت ناساز تھی۔ آپ منبر پر تشریف فرما تھے اور فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار دیا ہے، وہ چاہے تو دنیا کی نعمتوں سے استفادہ کرے یا اللہ تعالیٰ کے پاس جانا پسند کرے۔''

یہ سُن کر حضرت ابوبکرؓ صدیق بات کی تہ تک پہنچ گئے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت علیؒ بن حسینؒ کی روایت ہے کہ حضور انورؐ کی خدمت میں رُوح الامین آئے۔ ان کے ساتھ عزرائیلؑ بھی تھے۔ جبرئیل امینؑ نے عرض کیا:

''ایک فرشتہ حاضر ہونا چاہتا ہے۔ اُس نے آج سے پہلے کسی سے حاضر ہونے کی

اجازت نہیں طلب کی اور نہ اس کے بعد کسی سے طلب کرے گا۔''

آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''بلاؤ۔''

فرشتہ نے سلام عرض کیا اور کہا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے۔ ارشاد فرمائیں تو میں روح کو قبض کرلوں، منع فرمائیں تو نہ کروں۔''

آنحضورؐ نے فرمایا:

''تجھے جو حکم دیا گیا ہے، اس کی تعمیل کر۔'' (بیہقی)

علالت کے دوران تمام ازواج مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہ کے حجرہ میں تشریف لے آئے۔ سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس وقت جسم مبارک پر سات مشکیزے پانی بہایا گیا۔ حضرت عباسؓ نے دہن مبارک میں دوا ڈالی۔ صحابہؓ احد کے لیے دعا فرمائی۔ اسامہؓ کی قیادت کو جائز قرار دیا۔ آپؐ کی رحلت کے بعد صدیق اکبرؓ نے اسامہ بن زیدؓ کو شام بھیجا۔ جنگ ہوئی اور اسلامی لشکر فتح یاب ہو کر واپس آیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نماز میں امامت کی اجازت عطا فرمائی۔ نیز فرمایا، مسلمانوں تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ (ابن شہاب زہری)

آلِ ابوبکر کے صحابیؓ عیادت کے لیے آئے۔ اُن کے ہاتھ میں ہری مسواک تھی۔ آپؐ نے توجہ فرمائی۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ نے اپنے دانتوں سے نرم کر کے پیش کی۔ اللہ اللہ نظافت اس قدر پسند خاطر تھی کہ آخری وقت میں بھی اچھی طرح دانت صاف فرمائے۔ پھر حجرہ سے سہارا لے کر مسجد نبوی میں جھانکا تو اللہ کے بندوں کو بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریز دیکھ کر چہرہ مبارک فرطِ مسرّت سے چمک اٹھا کہ پیغمبر کا فرض باحسن تکمیل تک پہنچ گیا۔ جبین مبارک سجدۂ شکر کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور جھک گئی۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت فاطمہؓ آبدیدہ ہوگئیں تو فرمایا نہ رو۔ آنسو پونچھے۔ لحظہ بہ لحظہ مرض کی شدت بڑھتی رہی۔ آخر نقاہت کی وجہ سے غشی ہوگئی۔ جب آخری بار ہوش میں آئے تو زبانِ مبارک پر رفیق اعلیٰ من الجنۃ کے الفاظ تھے۔ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ آپؐ کا سر مبارک میری آغوش میں تھا کہ جسم ڈھیلا ہوگیا۔ پھر سکون قلب اور اطمینانِ روح کے ساتھ ایک تبسم جاوداں روئے مبارک پر نور پاشیاں کرنے لگا اور فطرت کو آپؐ کا یہ معصومانہ انداز اس قدر پسند آیا کہ صبح بہار نے ہمیشہ کے لیے محفوظ کرلیا اور بروز دوشنبہ 12 ربیع الاوّل چاشت کے وقت

کاروانِ زندگی منزلِ فردوس میں داخل ہو گیا۔ ع

بُروح اعظمِ پاکش درود لامحدود

اللھم صل علیٰ محمداً و علیٰ آل محمد و بارك وسلم علیه

تجہیز و تکفین

تمام اہل خانہ غمناک اور سراسیمہ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نماز کے بعد گھر مقام سُخ چلے گئے تھے۔ نبی کریمؐ کے وصال کی خبر سُن کر واپس آئے، چادر اٹھا کر زیارت کی اور بوسہ دیا۔ فاروق اعظمؓ بہت پریشان تھے، اُن کو تسلی دی اور یہ آیت تلاوت کی۔

وما محمد الارسول قدخلت و من قبله الرسل افاان مات او قتل انقلبتم علیٰ عقا بکم و من ینقلب۔ (سورۂ آل عمران)

حضرت اسامہؓ علالت کی خبر سن کر مقام جرف سے واپس آئے تھے جو مدینہ منورہ سے ایک فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ رسول اللہؐ نے ایک ماہ پہلے ہی اپنے وصال اور کفن دفن کے لیے ہدایات دے رکھی تھیں۔ فرمایا، غسل میرے عزیز دیں، کفن مصری سفید کپڑے یا یمنی حلّے کا ہو۔ غسل اور کفن کے بعد تمام صحابہؓ حجرہ سے باہر چلے جائیں تاکہ حضرت جبرئیلؑ، میکائیلؑ، عزرائیلؑ، اسرافیلؑ نمازِ جنازہ پڑھیں۔ اس کے بعد بقایا ملائکہ جنازہ پڑھیں گے۔ پھر صحابہؓ کے بعد مستورات اور بچے نمازِ جنازہ درود شریف پڑھیں گے۔ ان ہدایات پر من وعن عمل ہوا۔ نمازِ جنازہ کی امامت کسی نے نہیں کی۔ ارشادِ عالیہ کے مطابق سہ شنبہ کو غسل دیا گیا۔ جسم پر موجود قمیص اور پیراہن نہیں اتارے گئے۔ کفن پہنایا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

''نبی کی روح جس جگہ قبض ہو، اسی مقام پر دفن کیا جاتا ہے۔''

بغلی قبر کھودی گئی۔ چہار شنبہ کی نصف شب حضرت علیؓ اور فضل بن عباسؓ، قثم بن عباسؓ نے جسد اطہر قبر میں اتارا۔ آپ کی چادر مبارک قطیفہ اور مہر انگشتری مغیرہؓ بن شعبہ نے لحد میں رکھی۔ پھر تربت تیار کی اور اُوپر پانی چھڑک دیا گیا۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ نبی کی روح اس وقت تک

قبض نہیں کی جاتی جب تک جنت کا مقام نہیں دکھا دیا جاتا۔ پھر اُسے اختیار دیا جاتا ہے وہ دنیا میں رہے یا رخصت ہو جائے۔ (بخاری و مسلم)

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حجرہ کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا تھا۔ جب تک حضرت فاروق اعظمؓ دفن نہیں ہوئے تھے، اس وقت تک اپنے والد محترم اور سرکارِ دوؐ عالم کی تربت پر بے حجاب آ کر درود و سلام نذر کرتیں۔

سب سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ نے اُم المومنین کا حجرہ کچی اینٹوں سے تعمیر کرایا تھا۔ 88ء میں ولید بن عبدالملک اور حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے مسجد نبوی تعمیر کرائی تو یہ حجرہ بھی ازسرِنو تعمیر کرایا۔ جب بنیادیں کھودی جا رہی تھیں تو فاروق اعظمؓ کے قدم نظر آئے۔ آپ نے پتھر کی دیواریں چنوائیں اور چھت میں لکڑی استعمال کی۔ حجرے کا دروازہ نہیں رکھا گیا۔ (طبقات ابن سعد)

مقصورہ شریف

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے حجرہ کی بیرونی دیوار 20 فٹ اونچی بنوائی تھی، اس کے بعد باہر صندل اور آبنوس کی جالی لگوائی تھی، اب جس پر ریشمی غلاف جو سنہری تار سے کڑھا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے باہر پیتل کی جالی ہے جس کے قریب آپ کی خدمت اقدس میں درود و سلام عرض کیا جاتا ہے۔ بعض بزرگانِ دین کا قول ہے کہ مقصورہ شریف میں نوری تجلّیات کی اس قدر فراوانی ہے، جسے عام نگاہیں برداشت نہیں کر سکتیں۔

خوشبو

حضرت عبداللہ بن محمد بن عقیل بہت بڑے متقی پرہیزگار اور شب بیدار بزرگ تھے۔ آپ نماز تہجد سے اشراق تک حرمِ نبوی میں بیٹھے درود و وظائف میں مصروف رہتے۔ ان سے روایت ہے کہ ایک رات مسجد نبوی کی طرف چلا گیا تو مجھے عجیب قسم کی خوشبو محسوس ہوئی۔ جب روضۂ اقدس کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا یہ خوشبو روضۂ اطہر کے اندر سے آ رہی تھی۔ دیکھا تو روضہ کی شمالی دیوار منہدم ہو چکی تھی۔ اسی وقت حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز بھی تشریف لے آئے۔ انہوں نے دیوار

کی جگہ ایک قباطی چادر ڈال دی۔ نمازِ صبح کے بعد ایک معمار وردان نامی کو بلایا اور اپنے غلام مزاحم کو اس کی امداد کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے تربت سے مٹی صاف کر کے نئی دیوار تعمیر کر دی۔

واقعۂ خسف

386ھ سے 411ھ تک ایک بہت بڑا عبرت ناک واقعہ پیش آیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ شیخ شمس الدین صوابؒ خادمانِ حرم کے سردار تھے۔ ان کا بیان ہے کہ حلب کے گمراہ لوگوں نے امیر مدینہ کو تحائف اور لالچ دے کر کہا کہ ہمیں اجازت دو کہ دو صحابہ حضرت ابو بکرؓ اور فاروق اعظمؓ کے جسد روضۂ اطہر سے نکال لیں۔ امیر کی آنکھوں پر پردہ آیا۔ اُس نے مجھے بلا کر حکم دیا کہ آج رات کچھ لوگ حرم میں داخل ہوں گے، وہ جو کچھ بھی عمل کریں، اُن کے کام میں رکاوٹ نہیں کرنا۔ میں بادیدۂ گریاں حضور اکرمؐ کی خدمت میں عرض کرتا رہا۔ نصف شب کے قریب باب السلام کی طرف سے چالیس آدمی مسجد میں داخل ہوئے۔ اُن کے ہاتھوں میں کدالیں تھیں۔ میں رو رو کر بے حال ہو رہا تھا۔ جب وہ منبر کے پاس پہنچے تو زمین شق ہوئی۔ اس شگاف میں سب دھنس گئے۔ امیر مدینہ کو خبر ہوئی تو حیران ہوا اور خود حرمِ نبوی میں آیا۔ جب غرق ہونے کی جگہ پہنچے تو اُن کے عمامہ کے پلو زمین کے باہر تھے۔ یہ اس لیے کہ ان ظالموں کے عبرت ناک انجام سے باخبر ہو سکیں۔ حرمِ نبوی میں آج بھی نشان موجود ہیں۔

الحاکم

عبیدی حکومت کا چھٹا بادشاہ بڑا جاہل اور سفاک حکمران تھا۔ دل میں صحابہ کرامؓ کے متعلق حسد اور بغض رکھتا تھا۔ اُس کے مصاحبوں نے مشورہ دیا کہ کیوں نہ حضور اکرمؐ کا جسد مبارک مصر لے آئیں۔ اس طرح مدینہ منورہ کی مرکزیت ختم ہو جائے گی اور تمام مسلمان مصر آنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ حاکم نے سوچ کر مصر میں ایک بڑی مسجد اور شاندار عمارت تعمیر کرائی۔ اپنے مقرب خاص ابو الفتوح کو لاؤ لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ کو روانہ کیا کہ لڑ بھڑ کر جس طرح بھی ہو سکے، اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرو۔ ابھی اُس کا لشکر راستہ ہی میں تھا کہ مدینہ کی طرف آنے والے قافلے

سے ملاقات ہوگئی۔ اس میں ایک قاری بھی شامل تھے۔ انہوں نے سورۂ توبہ تلاوت کی تو ابوالفتوح کا ضمیر جاگ اٹھا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اسی وقت بادوباراں کا بے پناہ طوفان نازل ہوا جس کی وجہ سے اُس کا تمام لاؤلشکر بکھر گیا۔ اُس نے توبہ کی اور واپس چلا گیا۔

دھماکہ

امیر قاسم بن مہنی الحسینی کے دورِ حکومت میں مقصورہ شریف میں ایک دھماکہ ہوا۔ کسی فرد بشر کی جرأت نہ ہوئی کہ اندر داخل ہوکر صورتِ حالات دیکھے۔ آخر حضرت عمر النسائیؒ جو وقت کے شیخ المشائخ تھے، اُن کی خدمت میں عرض کی گئی۔ آپ موصل کے رہنے والے تھے۔ چالیس سال سے مدینہ میں قیام فرماتے تھے۔ صائم الدھر یعنی ہمیشہ روزہ سے رہتے۔ انہوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور شباک نبویؐ کے سامنے خشوع سے درودوسلام کے بعد دعا کی۔ حضورؐ انور سے روضہ میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ آخر لوگوں نے رباط باندھ کر اندر کی طرف اتار دیا۔ انہوں نے دیکھا روضہ پاک کی مشرقی دیوار اور چھت گر گئی ہے۔ روشنی کے لیے چراغ ساتھ تھا۔ آپ نے پہلے چھت کی لکڑیاں اٹھائیں۔ لحد مبارک اپنی ریش سے صاف کی اور سلام کے بعد باہر آئے۔

روضہ میں سرنگ

577ھ میں سُلطان نورالدین زنگی جو صلاح الدین ایوبیؒ کے چچا تھے، صلیبی جنگوں میں مصروف تھے۔ ابن اسیر کی روایت کے مطابق، خلفائے راشدین اور عمرؓ بن عبدالعزیز کے بعد نورالدین بہت نیک اور عبادت گزار فرمانروا تھے، ایک رات نماز تہجد کے بعد سلطان کی آنکھ لگی تو خواب میں حضورؐ سرورِ کائنات کی زیارت ہوئی اور فرمایا گیا:

اِنجدنی انقذنی من ھذاین۔ نجات دلاؤ، خلاصی کراؤ، ان دو نیلی آنکھوں والوں سے۔ پھر نفل ادا کیے اور سو گئے۔ پھر وہی خواب۔ تیسری دفعہ خواب میں اُن کی شکل بھی دکھائی گئی۔ سلطان نے اپنے وزیر جمال الدین اصفحانی کو بلایا۔ خواب سُن کر اُس نے مشورہ دیا، دیر کرنا مناسب نہیں۔ مدینہ منورہ میں ضرور کوئی خطرناک واقعہ پیش آ رہا ہے۔ سلطان اسی وقت تیز رفتار سواریوں

پر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ سولہ دن سفر کے بعد مصر سے مدینہ پہنچے، سلطان نے غسل اور وضو کے بعد درود و سلام حضورؐ انور کی خدمت میں پیش کیا۔ جب بظاہر کوئی کشاکش نظر نہ آئی تو امیر مدینہ اور دیگر لوگوں سے سوالات کیے۔ آخر بادشاہ نے تمام اہل مدینہ کو دعوت پر بلایا لیکن وہ نیلی آنکھوں والے کہیں نظر نہ آئے۔ پوچھ گچھ کے بعد لوگوں نے بتایا:

''دو درویش کسی مغربی ملک کے ایک حجرے میں رہتے ہیں۔ وہ دعوت میں نہیں آئے۔ جب وہ حاضر کیے گئے تو سلطان نے اُن کو پہچان لیا۔ اُن کے حجرے میں گئے تو ایک چٹائی کے نیچے ایک بڑا پتھر پڑا تھا۔ جب اٹھایا گیا تو اس کے نیچے ایک سرنگ نکلی۔ وہ دونوں شیطان دن کو لوگوں کو پانی پلاتے، خیرات کرتے اور رات کو سرنگ لگاتے۔ اس کی مٹی جنت البقیع میں پھینک آتے۔ روضہ شریف کی سرنگ سے آنحضورؐ کے قدم مبارک نظر آ رہے تھے۔ جب پوچھا تو بیان کیا کہ نصرانی بادشاہ نے بھیجا ہے کہ حضورؐ اکرم کا جسد نکال لاؤ۔ سلطان کے فرمان کے مطابق اُن کو سزائے موت دے دی گئی اور روضہ اطہر کے اردگرد ایک گہری بنیاد کھود کر اس میں رساس سکہ بھر دیا گیا۔ اب اسی سکّے کی بنیاد پر گنبد خضرا کے ستون کھڑے ہیں۔

سواری کے جانور

اِسپ

گھوڑے سات تھے۔ خاص صفت کی وجہ سے اُن کے نام یہ تھے:

1- کلب 2- لحیف 3- سلجہ 4- طرب 5- لزاز 6- مرتجز 7- ایور

خچر بغال

1- دُلدل 2- فضہ 3- صاحب 4- دومتہ الجندل 5- نجاشی نے بھیجا تھا

دراز گوش

1- عفیر 2- فروہ 3- سعدؓ بن عباس نے پیش کیا۔

اونٹ

زیادہ تعداد میں تھے۔ قصویٰ پر آپؐ نے ہجرت فرمائی۔

غزوات وسرایا

تاریخ اسلام میں وہ لڑائیاں غزوات کہلاتی ہیں جن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے خود شرکت کر کے جہاد فرمایا۔ جن جہاد یا معرکہ آرائی کے لیے صحابہ کرامؓ کو سپہ سالار مقرر فرمایا، وہ سرایا کہلاتی ہیں جس کے لغوی معنی ''قصد'' اور ''سیر'' کے ہیں۔

نام غزوہ	تعداد	تاریخ وسنہ	بمقابلہ
1۔ابواء (ودان)	70	2ھ	انسداد قافلہ قریش
2۔بواط	200	2ھ	انسداد قافلہ قریش
3۔سفوان	70	2ھ	تعاقب کرز بن جابر ڈاکو
4۔ذی العشیرہ	150	2ھ	برائے معاہدہ قبائل ینبوع
5۔بدر الکبریٰ	313	17 رمضان 2ھ	کفار قریش ایک ہزار
6۔ بنو قنیقاع		شوال 2ھ	قبائل یہود
7۔ السویق	200	شوال 2ھ	تعاقب صخر بن حرب اموی
8۔بنو سلیم	200	محرم 3ھ	قبیلہ بنو سلیم یا غطفان
9۔غطفان انمار	450 سوار	ربیع الاوّل 3ھ	بنو ثعلبہ، بنو محارب
10۔اُحد	650	16 شوال 3ھ	مدینہ سے تین میل کفار عرب
11۔حمراء الاسد	540	17 شوال 3ھ	اُحد کے دوسرے دن، تعاقب دشمن

12-بنونضیر		ربیع الاوّل 4ھ	یہودی قبیلہ کا تعاقب
13-بدرِ اُخریٰ	1510	ذیعقد 4ھ	انسداد قبیلہ قریش
14-دومتہ الجندل	1000	ربیع الاوّل 5ھ	مختلف قبائل عرب
15-مریسیع		3 شعبان 5ھ	بنومصطلق کا انسداد
16-خندق (احزاب)	3000	شوال ذیعقد 5ھ	سرداران وقبائل یہود
17-بنوقریظہ		ذوالحجہ 5ھ	یہودقبیلہ بنوقریظہ
18-بنی لحیان	200 سوار	ربیع الاوّل 6ھ	اہل رجیع قاتلین مبلغین اسلام
19-ذی قردہ (غابہ)	500	ربیع الثانی 6ھ	ڈاکوؤں کے خلاف
20-حدیبیہ	1400	ذیعقد 7ھ	قریش مکہ مانعین عمرہ
21-خیبر	1420	محرم 7ھ	یہودی قبائل
22-وادی القریٰ	382	محرم 7ھ.	یہودی قبائل
23-ذات الرقاع	400	محرم 10ھ	مختلف قبائل
24-فتح مکہ	10000	5 رمضان 8ھ	قریش
25-حنین	1200	شوال 8ھ	مختلف قبائل
26-طائف	12000	شوال 8ھ	مختلف قبائل
27-تبوک	30000	رجب 9ھ	افواج ہرقل قیصر روم کا انسداد

غزوات کے علاوہ سرایا کی تعداد 60 کے قریب ہے۔ یہ تمام 2ھ سے 9ھ تک آٹھ سال کے اندر معرکے ہوئے۔ ان جنگوں میں فریقین کے کل 1918 افراد کا جانی نقصان ہوا۔ کفار کے 6565 افراد قیدی بنائے گئے جن میں سے 6347 افراد حضور رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آزاد کر دیئے تھے۔

سرورِ کونینؐ کے قاصد

1۔ حضرت عثمان بن عفانؓ الاموی	قریش مکہ کی جانب
2۔ حضرت عمروؓ بن امیہ الضمری	شاہِ حبش نجاشی کے پاس بھیجے گئے
3۔ حضرت وحیدؓ بن خلیف کلبی	ہرقل قیصر روم
4۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ السہی	شاہِ ایران خسرو پرویز
5۔ حضرت حاطبؓ بن ابی ملتبہ الخمی	شاہِ مصر مقوقس
6۔ حضرت شجاعؓ بن وہب الاسدی	حارث بن ابی
7۔ حضرت سلیطؓ بن عمرو	ہوزہ بن علی اور ثمامہ بن اثال کی جانب
8۔ حضرت عمروؓ بن العاص السہمیؓ	جیفر بن الجلندی اور عبداللہ بن الجلندی للذوی رئیسان عمان
9۔ حضرت علاءؓ بن الحضری	منذرین بن ساوی حاکم بحرین
10۔ حضرت مہاجرؓ بن ابی امیہ فخروحی	حارث بن کلال اجمیری
11۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ	یمن
12۔ حضرت معاذؓ بن جبل	یمن
13۔ حضرت جریرؓ بن عبداللہ الجبلی	ذوالکلاع الحمیری
14۔ حضرت عیاشؓ بن ربیعہ المخزوی	حارث مسروح اور نعیم بن عبد کلیل
15۔ حضرت حارثؓ بن عمیر	مصریٰ کے حاکم

رسولِ اکرمؐ کے مدنی نقیب

ہجرت کے پہلے مدینہ کے جن بارہ اصحاب کرامؓ کو حضورؐ نے نقیب بنایا تھا، ان میں نو خزرج کے تھے اور تین اوس کے اور یہ سب قبائل مدینہ کے روَسا تھے۔

1- سعیدؓ بن خضیر
2- ابوالہیثمؓ بن التیہان
3- سعدؓ بن تشمیہ
4- سعدؓ بن زرارہ
5- سعدؓ بن الربیع
6- عبداللہؓ بن رواحہ
7- سعدؓ بن عبادہ
8- منذرؓ بن عمرو
9- براءؓ بن معرور
10- عبداللہؓ بن عمرو
11- عبادہؓ بن الصاف
12- رافعؓ بن مالک

مقرر کردہ محصلین

1- حضرت صفوانؓ بن صفوان	بنوعمرو
2- حضرت عدیؓ بن حاتم	بنو طے و بنو اسد
3- حضرت عمر فاروقؓ	مدینہ منوّرہ
4- حضرت ابو جہمؓ بن حذیفہ	بن یعث
5- حضرت بریدؓ بن مصب اسلمیٰ	بنوغنار و اسلم
6- حضرت عبادؓ بن بشیر	بنوسلیم رمزینہ
7- حضرت ضحاکؓ بن سفیان	بنوکلاب
8- حضرت رافعؓ	بنوجہینہ
9- حضرت قیسؓ بن عاصم	بنوسعد
10- حضرت عمروؓ بن العاص	بنوفزارہ
11- حضرت بشرؓ بن سفیان	بنوکعب
12- حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح	نجران
13- حضرت عبداللہؓ بن واحد	خیبر
14- حضرت زیادؓ بن لبید	حضرموت
15- حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ	یمن
16- حضرت عمروؓ بن سعید ابن العاص	تیمار
17- حضرت ابانؓ بن سعید	بحرین
18- حضرت عبداللہؓ بن لیث	بنوزبیان

حیاتِ طیبہ ایک نظر میں

1-ولادت حضور سرور کائنات ﷺ	9ربیع الاوّل، 1عام الفیل، 22اپریل 571ء دوشنبہ، صبح صادق
2-بعثت	17رمضان، 41ولادتِ نبوی۔12فروری 610ء دوشنبہ
3-ہجرتِ حبشہ	5نبوی۔15افراد
4-معراج	27رجب 10نبوی، 22مارچ 610ء
5-شعب ابوطالب	7نبوی
6-سفرِ طائف	10نبوی
7-ہجرتِ مدینہ منوّرہ	27صفر 14نبوی۔12ستمبر 622ء
8-غارِثور سے روانگی ہمراہ صدیق اکبرؓ	11ربیع الاوّل 13نبوی۔16ستمبر 622ء بروز دوشنبہ
9-قبا میں ورود اور قیام	
10-یثرب میں ورود	21ربیع الاوّل 1ھ۔27ستمبر 622ء بروز جمعہ
11-بنیادِ مسجد نبوی	1ھ
12-روزہ فرض وتدوین اذان	2ھ
13-غزوۂ بدر	17رمضان 2ھ۔16مارچ 624ء بروز منگل
14- زکوٰۃ فرض وحرمت شراب	
15-غزوۂ احد	6شوال 3ھ۔21مارچ 625ء بروز اتوار

16- حج فرض اور مستورات کے لیے پردہ کا حکم	5ھ
17- غزوۂ احزاب	28 شوال 5ھ۔ 23 مارچ 627ء
18- صلح حدیبیہ	ذی قعد 6ھ۔ مارچ 628ء
19- سلاطین کے نام خطوط	یکم محرم 7ھ۔ 14 مئی 628ء
20- غزوہ خیبر	محرم 7ھ۔ 14 مئی 628ء
21- عمرہ قضا	ذیقعد 7ھ۔ اپریل 629ء
22- فتح مکہ مکرّمہ	20 رمضان 8ھ۔ 12 جنوری 630ء
23- غزوہ حنین	11 شوال 8ھ۔ یکم فروری 630ء بروز بدھ
24- طائف کا محاصرہ	13 شوال 8ھ۔ 3 فروری 630ء بروز جمعہ
25- جنگ تبوک	رجب تا رمضان 9ھ۔ اکتوبر تا دسمبر 630ء
26- حجتہ الوداع	9 ذوالحجہ 10ھ۔ ہمراہ ایک لاکھ 24 ہزار حجاج 9 مارچ 631ء بروز جمعہ
27- وصال	12 ربیع الاوّل 11ھ۔ 25 مئی 632ء بروز دوشنبہ بہ وقت چاشت
28- تجہیز و تکفین	14 ربیع الاوّل 11ھ۔ 27 مئی 632ء بروز بدھ بہ وقت نصف شب
29- عمر مبارک	63 سال 4 یوم۔ ولادت تا وصال۔ 22330 دن 6 گھنٹے، فانی دنیا میں قیام فرمایا۔

ماخذ و اشارات

1- ابن اسحاق	
2- ابن ہشام	
3- طبقات ابن سعد	
4- تاریخ حرمین	علامہ ارزقی
5- مراۃ الحرمین	محمد علی پاشا
6- سیرت النبیؐ	شبلی و سلیمان ندوی
7- رحمتہ اللعالمینؐ	
8- محسنِ انسانیت	نعیم صدیقی
9- سیرتِ سرورؐ عالم	مولانا مودودی

''رسول کائنات ﷺ'' میرے والد جناب عبدالکریم ثمر صاحب کی پنجابی زبان میں لکھی سیرت نبوی ''سچی سرکار ﷺ'' کا انہی کا تحریر کردہ اردو ترجمہ ہے۔ کتاب میں نبی آخرالزماں ﷺ کی ولادت، خاندان، اہم تاریخی واقعات، دین کی تبلیغ، غزوات، عہد نبوی کی تعمیرات، غرض یہ کہ دور نبوت کے تمام اہم امور اور پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ کتاب کی سب سے بڑی خوبی مصنف کا جذبۂ صادق ہے جو ہر ہر سطر سے جھلکتا ہے۔ ان کی نثر مدح رسولؐ میں ایک منفرد رنگ رکھتی ہے اور اثر و تاثیر کے حوالے سے لازوال ہے۔ یہ کتاب اختصار اور اپنی جامعیت کے حوالے سے منفرد ہے۔

درویش صفت، سادہ اور وضع دار، جناب عبدالکریم ثمر (1906-1989ء) بنیادی طور پر شاعر تھے۔ وہ شاعری میں مقصدیت کے قائل تھے۔ ان کی شاعری حب الوطنی اور اسلامی جذبے سے سرشار ہے۔ ان کے نزدیک نعت گوئی عبادت تھی جس میں وہ دین اسلام کی صداقتوں اور ارشادات نبوی ﷺ کی تبلیغ بھی کرتے چلے جاتے۔ ثمر صاحب تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن رہے۔ مسلم لیگ اور انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں پڑھی جانے والی ان کی نظمیں، ملی ترانوں کی حیثیت اختیار کر گئیں۔ وہ اقبال، رومی اور جامی کی روایت کے شاعر تھے۔ وہ شعری میدان میں علامہ اقبال کے روحانی شاگرد رہے۔ ان کے ہر شعر و مصرع میں اسلامی رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ امید و ارتقائے انسانیت ان کی شاعری کا مرکزی نقطہ تھا۔ ان کی تصنیف اور تالیف کردہ کتابوں کی تعداد 12 ہے، جن میں اردو و پنجابی میں سیرت طیبہ، حمدیہ و نعتیہ کلام کے مجموعے، شعری مجموعے اور سفرنامہ شامل ہیں۔

9 789699 739118
Jumhoori Publications